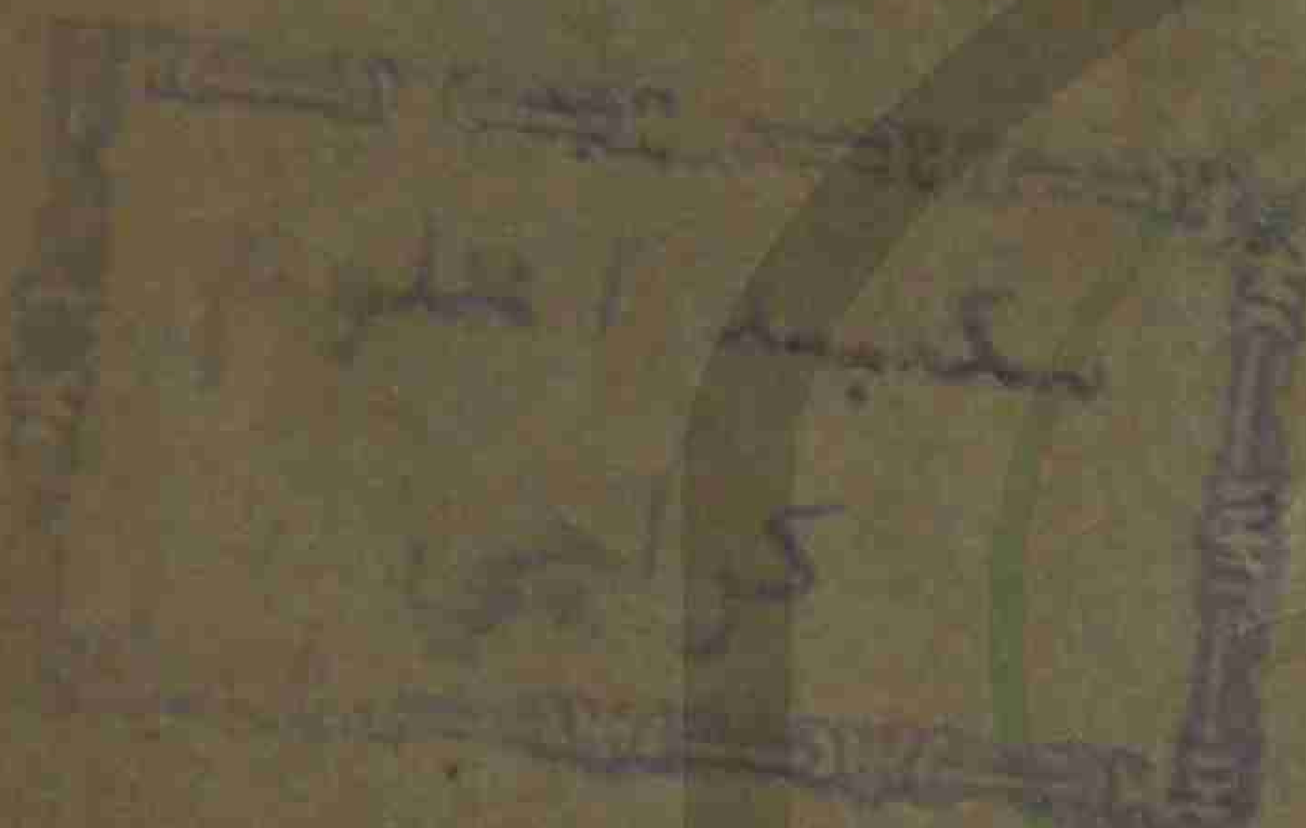
حضرت علیؑ کا طرزِ جہانبانی





مؤلفہ

علامہ سید ابن حسن رضوی جارچوی

ایم، اے

کتاب ملنے کا پتہ

مؤلف ۳ سی روڈ ناظم آباد کراچی

دیباچہ

ملک میں نئے دستور اساسی کی آمد آمد کا شور ہے۔ کوئی دینی نظام چاہتا ہے کوئی لادینی، ایک کہتا ہے کہ قرآن شریف ہر چیز کا سرچشمہ ہے، دستور اساسی بھی اسی کے اندر موجود ہے، دوسرا پکار رہا ہے کہ قرآن کی کسی آیت میں مفصل دستور اساسی ہو تو بتاؤ۔ غرض جتنے منہ ہیں اتنی ہی باتیں ہیں، یہ سچ ہے کہ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین کے یہی معنی ہیں کہ ہر خشک و تر چیز کتاب مبین کے اندر موجود ہے۔ مگر "کتاب مبین" کی تفصیل ان سینوں میں ہے جن کو علم عطا کیا گیا ہے بل ھو ایات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم (بلکہ وہ کھلی ہوئی آیتیں ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جنکو علم عطا کیا گیا ہے) اس کتابچہ میں انہی علم والوں (بلکہ یوں کہو کہ باب مدینۃ العلم) کا مرتب کردہ آئین جہانبانی آپکے سامنے پیش ہے۔ پڑھیے اور غور سے پڑھیے اور اس منشور امامت کو دنیا کے ہر حصہ میں پہچانے کی کوشش کیجیے۔ ہر زبان میں اس کا ترجمہ شائع کرائیے۔ سردست اردو اور انگریزی میں اس کا ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ارباب ہمت اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں خریدیں اور اپنے حلقۂ اثر میں تقسیم فرمائیں۔

مؤلف

حضرت علیؑ کا طرزِ جہانبانی

بزمِ کائنات خدا جانے کب سے آراستہ ہے؟ یہ آفتاب جو ہم کو حرارت پہنچاتا ہے، یہ ماہتاب جو اندھیری راتوں کو روشن کر دیتا ہے، اور ان کے علاوہ دوسرے آفتاب و ماہتاب جن کی روشنی ہم تک نہیں پہنچتی خدا جانے کب سے چمک دمک رہے ہیں؟ کائنات میں شمعِ حیات کہاں کہاں روشن ہے؟ کرۂ ارض پر کاروانِ انسانی کب سے رواں دواں ہے؟ وحشت اور بربریت کے دور سے نکل کر تہذیب و تمدّن کے دائرہ میں کب داخل ہوا؟ ترقّی کی دوڑ میں اس کو کن کن مصائب و آلام کا مقابلہ کرنا پڑا ہے؟ اس کا پورے طور پر جائزہ لینا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے، ہاں اتنا معلوم ہے کہ جہالت و وحشت کی تاریکیوں میں شمعِ ہدایت ہمیشہ روشن رہی ہے اور قدرت نے انسانی قافلے کو رہبری اور رہنمائی سے کبھی محروم نہیں رکھا، جادۂ حیات دشوار گذار اور سنگلاخ سہی مگر اس کے ہر موڑ پر کوئی فرد یا گروہ ایسا ضرور ملا ہے جس نے قافلہ کو آگے بڑھنے میں مدد دی ہے، نسل انسانی ایک دو مرتبہ نہیں مسلسل اور پیہم امتحان اور آزمائش سے دوچار ہوئی ہے اور ہر مرتبہ قدرت نے اس کو سُرخ رو کیا ہے؟ زمانہ ماقبل تاریخ کا ذکر چھوڑئیے کہ افسانوں اور روایتوں کی بھول بھلیاں سے نکلنا دشوار ہو جائے گا، زمانہ تاریخ ہی کو لے لیجئے،

نمرود کے دور میں جب ہر سمت اندھیرا چھایا ہوا تھا اور آدم کی اولاد ایک طرف تو سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش میں مصروف تھی دوسری طرف سرکش انسانوں کے سامنے سربسجود ہونے پر مجبور کی جارہی تھی، لیکایک ابراہیمؑ ایسا الوالعزم انسان پیدا ہوا اور اس نے اپنی خداداد قابلیت اور محیر العقول صبر و استقامت کی بنا پر کفر و عصیاں کی بڑھتی ہوئی قوتوں کا مقابلہ کیا اور گمراہی و ضلالت کی گھنگھور گھٹا میں ہدایت کی بجلی کوندنے لگی، آج دنیا کے جس جس حصے میں چراغِ عرفان روشن ہے، اخوت و مساوات کی شمع جہاں جہاں جل رہی ہے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ مشعلِ ابراہیمی ہی سے اقتباس نور کر رہی ہے۔

اللہ! اللہ!! اس گھرانے کی داستان کس قدر حیرت خیز ہے، اسمٰعیلؑ نے حجاز کے ظلمت کدہ میں اجالا کیا اور وادیِ غیر ذی زرعہ میں مرکزِ توحید کی بنا ڈالی، پرانے زمانے میں مکّہ اُس شاہ راہ پر واقع تھا جس پر عرب کے جنوبی مغربی اور جنوبی مشرقی ساحل سے تجارتی قافلے شمالی ملکوں کی طرف جاتے تھے، اور شمالی ملکوں سے سامانِ تجارت لے کر جنوبی بندرگاہوں تک پہنچاتے تھے، رفتہ رفتہ مکّہ اِن قافلوں کا مقام اتّصال بن گیا، یہاں مبادلۂ اجناس کی منڈی ہو گئی۔ اسمٰعیل اور اولادِ اسمٰعیل نے اس کو تعلیم اور تبلیغ کا مرکز بنا دیا، اور یہاں سے توحید کا پیام ایک طرف تو ہند و سندھ، چین و ماچین اور برما و سیلون تک پہنچ گیا، اور دوسری طرف مصر، ایشیائے کوچک ممالک یورپ اور بلادِ افریقہ تک جا نکلا۔

حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے اسحاقؑ نے سرزمین کنعان کو آفتاب ہدایت کا مشرق بنا دیا، ان کی نسل سے سینکڑوں ہادی اور رہبر پیدا ہوئے۔ جنھوں نے مظلوم اور مقہور قوموں کو پنجۂ ظلم وستم سے آزاد کیا، اور گم کردہ راہ لوگوں کو راہ راست پر لگایا۔

چھٹی صدی عیسوی میں عرب بت پرستی و کفر وضلالت کا مسکن بن چکا تھا مگر اس اندھیرے میں کچھ چراغ بھی روشن تھے، ہاشم کی نسل کے کچھ افراد ابھی تک ابراہیم کے دین پر قائم تھے، اور کعبے کے تین سو ساٹھ بتوں کے بجائے "وحدہٗ لاشریک لہٗ" کی عبادت کرتے تھے۔ علیؑ جن کا ذکر آج ہمارا موضوع بحث ہے اسی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ۱۳ رجب ۳۰ سنہ عام الفیل کو خانۂ کعبہ میں پیدا ہونے والے اس بچّہ کے والد کا نام عمران اور کنیت ابوطالب، اور والدۂ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد ہے۔

"تخم کی تاثیر اور صحبت کا اثر" مشہور ہے۔ کسی جسمِ نامی کے بنانے یا بگاڑنے میں توارث نسلی اور ماحول کو بڑا دخل ہے۔ نسل کے اعتبار سے علیؑ آل ابراہیم سے تعلق رکھتے ہیں، جس کی ہدایت وشجاعت، علم وفضل، بذل وایثار کی دھوم سارے عالم میں مچی ہوئی ہے، ابوطالب جیسے باپ اور فاطمہ بنت اسد جیسی ماں کی آغوش تربیّت کس کو نصیب ہوگی کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان اور اللہ کا آخری پیامبر بھی انھیں آغوشوں میں پلا اور پھولا پھلا تھا۔

مندرجہ ذیل عبارت پڑھیے اور علیؑ کی خوش قسمتی کا اندازہ لگائیے:۔

اتفق جمیع المورخین علی انہ علیہ السلام نشأ فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وربّاہ بتربیتہ وکان یطہرہ عند غسلہ ویسقیہ اللبن وقت شربہ ویحرّک مہدہ عند نومہ ویناغیہ فی یقظتہ ویحملہ علی صدرہ ویقول ہذا اخی وولی وناصری

(تاریخ محمد السماوی)

تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے آغوش رسولِ مقبول میں نشوونما پائی اور آپ ہی نے ان کو تربیت دی، جب اس بچّہ کو نہلانے دھلانے کی ضرورت ہوتی تو آپ خود نہلاتے اور پاک صاف کرتے، اور بھوک لگتی تو دودھ پلا دیتے، جب وہ سونے لگتے تو ان کا جھولا جھلاتے، جاگ اٹھتے تو لوری دیتے، اور اپنے سینے پر بٹھا کر کہتے میرے بھائی، وارث اور مددگار"

ربّاہ النبی وازلفہ وہداہ الی مکارم الاخلاق والفقہ

(نور الدین الصباغ مالکی)

آں حضرت نے علیؑ کی تربیّت کی ان کو شرف تقرب بخشا، مکارم الاخلاق اور فقہ کی طرف ہدایت کی۔

تو وارث نسلی اور ماحول دونوں کے اعتبار سے علیؑ خوش قسمت تھے، اسی لئے وہ انسانی ترقی کے تمام مدارج پر فائز ہوئے، اور رسول اسلام کے بعد دنیا کے سب سے عظیم القدر انسان قرار پائے، جب علی پیدا ہوئے تو پرانی دنیا

اپنی عمر کی آخری سانسیں لے رہی تھی، اور ایک عظیم الشان معاشی، معاشرتی اور سیاسی انقلاب کے تمام عناصر جمع ہو رہے تھے، قیصر و کسریٰ کا جاہ و جلال عروجِ کمال پر پہنچ کر مائل بزوال تھا، ایران و روما کے نظامِ مجلسی میں تخریبی جراثیم پیدا ہو چلے تھے، اصلاح طلب اور صلح پسند لوگوں کی نظریں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ کب بارانِ رحمت نازل ہو، اور دنیا کی مردہ رگوں میں زندگی کا خون دوڑنے لگے۔ یکایک کفر کی گھٹا میں بجلی چمکی، اور وحیِ الٰہی کا موسلا دھار پانی برسنے لگا۔ حسنِ اتفاق دیکھئے کہ علیؑ کی تربیت اس انقلاب آفریں انسانِ کامل کی آغوش میں ہوئی، جس کو قدرت نے فرسودہ نظامِ مجلسی کو درہم برہم کر کے نظامِ نو کی بنیاد رکھنے کے لئے منتخب کیا تھا، آنکھ کھولتے ہی سب سے پہلے چہرۂ رسول پر نظر ڈالی اور مسلسل تینتیس ۳۳ سال تک شب و روز سوتے جاگتے آپ اس قائدِ انسانیت اور رہبرِ ملت کی تعلیم و تربیت سے بہرہ اندوز ہوتے رہے، نتیجہ یہ تھا کہ تعلیمِ قرآنی کی روح اور پیامِ الٰہی کی حقیقت سے جس طرح آپ واقف تھے کوئی اور واقف نہ تھا۔

دعوت ذوالعشیرہ سے لے کر غدیرِ خم کے میدان تک جب کبھی اور جہاں کہیں علی کے فضائل نشر کئے گئے اور ان کی ولایت و وصایت سے لوگوں کو مطلع کیا گیا، اُس کے پیچھے بھائی کی محبت یا داماد کی الفت کا جذبہ نہ تھا، بلکہ امت کے لئے ایک صحیح رہنما اور سچّے ہادی کی نشان دہی مقصود تھی، انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔ انا دار الحکمۃ وعلی بابھا کی حدیثیں قصیدہ خوانی کے لئے نہیں ہیں بلکہ اس روحِ اعظم اور حکیمِ معظم

کا تعارف کراتی ہیں جو رسول کے بعد امت کی رہنمائی کر سکتا تھا۔

صاحب بصیرت لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ رسول مقبول دنیا میں کسی سلطنت کی بنیاد قائم کرنے نہیں آئے تھے، نہ وہ عربوں کو دوسری قوموں پر مسلّط کرنے کا جذبہ رکھتے تھے، نسلِ آدم کے ایک حصہ کو دوسرے حصّے پر غلبہ دینے اور تخت و تاج حاصل کرنے کا کام تو اور لوگ بھی کر سکتے تھے اور کرتے رہے ہیں، اللہ کا رسول دلوں کی دنیا بدلنے آتا ہے، اخلاقِ فاضلہ اور فضائلِ حسنہ کو ترویج دینے کا کام کرتا ہے، آدمی کو انسان اور انسانوں کو متحد و منظّم بنا کر ایک صالح تمدن اور بار آور تہذیب و ثقافت کی بنیاد رکھتا ہے۔

انسان سازی اور اصلاح معاشرت کا کام بہت دشوار ہے، اس کیلئے نکتہ رس دماغ اور دقیقہ شناس ذہن کی ضرورت ہے، رسول کے گرد و پیش بیٹھنے والے زہد و تقویٰ اور دیانت و امانت کے لحاظ سے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں لیکن اصلاح معیشت و معاشرت کے نازک کام کی صلاحیت سوائے علی کے شاید ہی کسی دوسرے میں ہو۔

انسان جب دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اسے تین رابطوں سے واسطہ پڑتا ہے۔

(۱) خالق کے ساتھ رابطہ

(۲) اپنے ہم جنس انسانوں کے ساتھ رابطہ

(۳) انسان کے علاوہ دوسری مخلوق خدا سے رابطہ

بہت سے لوگ خالق کی یاد میں گم رہتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں اور خدا کی دوسری مخلوق سے بیگانہ ہو جاتے ہیں، بہت سے لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں اور

انسانوں کے معاملات میں بری طرح الجھے رہتے ہیں، بہت سے لوگ ہیں کہ خدا کو بھی یاد رکھتے ہیں، انسانوں کا حق بھی ادا کرتے ہیں مگر دوسری مخلوقِ خدا کے رابطے سے غافل رہتے ہیں، انسانیت کی تکمیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ تینوں رابطوں کا حق ادا کیا جائے —— اللہ کی عبادت اس کے احکام کی پوری پوری پابندی، انسانوں کے ساتھ اخوت و مساوات کا برتاؤ دنیا کے مادی وسائل و ذرائع کو پیامِ توحید اور اخوتِ انسانی کی ترویج و بقاء کے لئے استعمال کرنا۔

تاریخِ اسلام کے اوراق موجود ہیں، غور سے ان کا مطالعہ کیجیے اور پتہ لگائیے کہ عہدِ نبوی میں یہ تینوں صفتیں علی کے علاوہ اور کتنے آدمیوں میں موجود تھیں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ملکوں پر چڑھائی کرنا، خزانے لوٹنا، تخت و تاج کا مالک بن جانا کوئی مشکل کام نہیں، تاریخِ انسانی ایسے بہت سے قائد اور سالار پیش کر سکتی ہے جو سازگار ماحول کی بدولت کشور کشا بن گئے تھے، مگر جہاں گیری اور جہانبانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے، کتنے آدمی ایسے ہیں جو صاحبِ اختیار بننے کے بعد احکامِ الٰہی کے پابند رہے اور عبادت، اخوت و وراثتِ ارضی کے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی، رسولِ مقبول کے فیضِ تربیت نے علی کو انسانِ کامل بنا دیا تھا، انھوں نے اللہ کے احکام کی پوری پوری پیروی کی، انسانوں کے ساتھ اخوت و مساوات کا برتاؤ اور مادی وسائل و ذرائع کو مخلوق کی بہبودی

اور خالق کی راہ میں اس خوبی سے استعمال کیا کہ ان کی ذات نفع بخش اور فیض رساں بن گئی۔

حاکمیت صرف ذات الٰہی کے لئے زیبا ہے، ہم سب اس کے بندے ہیں، اپنے ہم جنس انسان پر ہم حکومت و بادشاہت نہیں کر سکتے، اللہ کی نیابت میں اس کے احکام نافذ کر سکتے ہیں، انسان کے ساتھ ہمارا تعلق اخوت و مساوات کے سوا اور کچھ نہیں ہے، یہ نکتہ رسول مقبولؐ نے خدا سے سیکھا تھا، اور علی کے سوا اور لوگ اس نکتے تک پورے طور سے نہیں پہنچ سکے، یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی زندگی افراط و تفریط سے خالی نہیں

یا تو آپ کو ایسے لوگ ملتے ہیں جو حقوقِ عباد سے غافل ہو کر خانقاہی زندگی بسر کر رہے ہیں، یا وہ شہ سوار نظر آتے ہیں جو روم و ایران کی حکومتوں پر تاخت و تاراج کے بعد اللہ کی مخلوق کو غلام بنا رہے ہیں، اور اس غلامی کے شکنجوں کو مضبوط کرنے کے لئے مستقل فوج رکھتے ہیں، بھرپور خزانوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں، ایسا نظامِ حکومت قائم کر رہے ہیں جس کی بنیاد جبر و اکراہ اور فوج اور پولیس پر ہے، نفسِ انسانی ذلیل ہو رہا ہے، اور شہنشاہیت اور سامراجی قوتیں چور دروازہ سے مسلم دنیا میں داخل ہو رہی ہے۔

علیؑ جب اس عمر میں داخل ہوئے جس کو سنِ شعور کہتے ہیں تو روم و ایران کا سامراجی نظام دم توڑ رہا تھا، اس کی تباہ کاریاں عالم آشکار ہو چکی تھیں، مستقل فوجوں اور عامۃ الناس کی گاڑھی کمائی سے بھرے ہوئے خزانوں کے بل بوتے پر سامراجی قوتیں جو آفتیں ڈھاتی ہیں ان کے نتائج نگاہ کے سامنے

تھے، ایک طرف یہ تھا، اور دوسری طرف رسول مقبول ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھ رہے تھے جہاں اللہ کی حاکمیت کا اعتراف ضروری تھا، دستور اساسی چند انسانوں کا بنایا ہوا یا کسی ایک جابر آدمی کے منہ سے نکلا ہوا نہ تھا، بلکہ خود اللہ کا بھیجا ہوا تھا، جس میں کسی فرد یا قوم کی برتری یا مخصوص حقوق کیلئے گنجائش نہ تھی۔ مامور من اللہ "نگران امت" قانون سازی نہیں بلکہ قانون الٰہی کا نفاذ کر سکتا تھا، اور خود اس قانون کی زد سے بچا ہوا نہ تھا، اسلامی جہانبانی اور نظام معاشرت و معیشت کے جو نکتے حضرت علیؑ نے رسولِ اکرم سے سیکھے تھے۔ اس وقت دنیا کے لئے حیرت انگیز تھے اور آج بھی جب کاروانِ انسانیت بہت دور نکل آیا ہے لوگ ان نکتوں پر عمل کرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے اپنے گرد و پیش نظر ڈالی اور نظامِ کہن اور نظامِ نو کو جانچا اور پرکھا پُرانا نظام حکومت جو روم اور ایران میں رائج تھا، ان کے نزدیک ناقابلِ قبول ٹھہرا۔ انھوں نے اسلامی نظام کو پسند کیا، مگر رسول مقبول کے دوسرے ساتھی ایسا نہ کر سکے اور انھوں نے رومی اور ایرانی طرزِ جہانبانی کو مفید سمجھا۔

جب ہم حضرت علیؑ کے طرزِ جہانبانی پر غائر نظر ڈالتے ہیں تو چند چیزیں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں:۔

(۱) وہ انسانی نفس کی شرافت اور منزلت سے واقف تھے، وہ کسی ایسے نظامِ معاشرت و معیشت کو پسند نہ کرتے تھے جس میں جبر و اکراہ اور فوج اور پولیس کی مار دھاڑ کو دخل ہو، ترغیب و تحریص کے ذریعہ احکامِ الٰہی کی پابندی ان کا شعار تھا، اسٹیٹ کا جو تصور اب تک دنیا کے سامنے

ہے۔ وہ جبر و اکراہ COERCION & COMPULSION سے خالی نہیں، حضرت علی نفس انسانی کو اس بلندی پر دیکھنا چاہتے تھے جہاں وہ خود اپنے فرائض و حقوق کا احساس کرے چنانچہ صدقات و زکوٰۃ کی وصولی میں بھی آپ کے نزدیک جبر و اکراہ کا استعمال جائز نہ تھا، ایک فرمان میں ارشاد فرماتے ہیں:-

ولا تروعن مسلما	(زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے
ولا تجتازن علیہ کارھا	جاؤ تو) کسی مسلمان کو ہرگز نہ ڈرانا
ولا تاخذن عنہ اکثر من	نہ دھمکانا، اور ایسے وقت اس کے
حق اللہ فی مالہ فاذا قدمت	پاس سے نہ گزرنا جب وہ (تمہارا
علی الحی فانزل بماٸھم من	آنا) پسند نہ کرتا ہو، اللہ کا جو
غیر ان تخالط ابیاتھم ثم	حق اس کے مال میں ہو اس سے
امض علیھم بالسکینۃ	زیادہ نہ لینا، جب تم کسی قبیلے
والوقار حتیٰ تقوم بینھم	کے پاس جاؤ تو ان کے گھروں سے
فتسلم علیھم ولا تخدج	دور تالاب کے پاس اترو، پھر سکون و
بالتحیۃ لھم۔ الخ (نہج البلاغہ)	وقار کے ساتھ ان کے پاس جاؤ

اور سامنے کھڑے ہو کر پہلے سلام کرو، اور پورے آداب و تحیہ بجا لاؤ۔ پھر اُن سے کہو کہ مجھے خدا کے ولی اور خلیفہ نے حق اللہ کی وصولی کے لئے تمہارے پاس بھیجا ہے، پس اگر تمہارے پاس واقعی اللہ کا حق ہے تو ادا کرو۔

اس پر اگر کوئی کہے کہ "نہیں" تو اس سے تعرض نہ کرو، اور اگر کہے کہ "ہاں"

تو اس کے ساتھ جاؤ اور بغیر ڈرائے دھمکائے اور سختی کے جو کچھ وہ سونے چاندی میں سے دے لے لو۔"

(٢) وہ تنخواہ دار فوج کے تقرر کے خلاف تھے کہ ہمزاد کی طرح اس کو مشغول رکھنا پڑتا ہے، یا ممالک غیر پر حملہ کرنے کی اجازت دیجیے، یا خانہ جنگی کا تماشا دیکھیے، ان کی رائے تھی کہ ہر مسلمان کو اسلام کا سپاہی ہونا چاہیے جان بہت قیمتی چیز ہے۔ اس کو چند پیسوں پر فروخت کرنا نفس انسانی کی توہین ہے، ہاں جب ایمان پر آنچ آئے تو جان قربان کی جا سکتی ہے۔ مستقل فوج کے نتائج ہمیشہ مضر ہوئے ہیں، اس سے جنگجو لوگوں کی ایک قوم وجود میں آجاتی ہے۔ جو امن پسند شہریوں سے الگ تھلگ رہتی ہے اور چوں کہ اس کے منصب وجاہ کا انحصار جانبازی اور خونریزی پر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ جنگ وجدل کے مواقع بہم پہنچانے کی فکر میں رہتی ہے۔ اس سے اقوام وممالک کے امن خطرے میں پڑ جاتے ہیں، اور اندرونِ ملک میں بھی پارٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور کبھی ایک پارٹی اور کبھی دوسری فوج کو یا کبھی فوج ان پارٹیوں کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کرتی رہتی ہے۔

آں حضرت کے عہد میں بھی مستقل اور تنخواہ دار فوج نہ تھی، قرآن مجید نے مالِ غنیمت سے خمس کاٹ کر بقیہ کو سپاہیوں پر تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تنخواہ دار فوج کا اسلامی نظامِ حکومت میں کوئی وجود نہ تھا، اس کی ابتداء حضرت عمر کے عہد میں ہوئی، انھوں نے باضابطہ

محکمۂ جنگ قائم کیا، سپاہیوں کے رجسٹر بنے، تنخواہیں مقرر ہوئیں، ایک دفعہ بحرین سے پانچ لاکھ درہم آئے، حضرت عمر نے ان لوگوں سے پوچھا کہ انھیں کس مد میں خرچ کیا جائے؟

حضرت علیؑ، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں، ولید بن ہشام نے کہا کہ "میں نے شام کے والیانِ ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔" حضرت عمر کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا، ایک اور روایت ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطینِ عجم کا حوالہ دیا، اور یہی روایت قرین قیاس ہے، کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔" (الفاروق حصۂ دوم صفحہ ۹۳۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۳۵، ۴۳۶)

مولوی شبلی یہ مانتے ہیں کہ سرورِ کائنات کے عہد میں مستقل اور تنخواہ دار فوج نہ تھی، حضرت عمر نے اس کا آغاز کیا۔

"عرب میں شاہانِ یمن وغیرہ کے یہاں فوج کا کوئی منظم بند و بست نہیں تھا۔۔۔ اسلام کے آغاز تک اس کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔۔۔ حضرت عمر کی اوائلِ خلافت تک یہی حال رہا، لیکن ۱۵ھ میں حضرت عمر نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا تھا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔"

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۹۲، ۹۳)

ابتدائی سطروں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آں حضرت کے سامنے مستقل فوج کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا، کیوں کہ یمن کے حکمرانوں کے یہاں اس کا دستور نہ تھا، اور عرب سے دور روم و ایران کے حالات سے وہ بے خبر تھے، حالاں کہ اگر مولوی صاحب جرجی زیدان کی تاریخ "تمدن اسلامی" ہی کا مطالعہ کر لیتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ یمن کے حمیری، منذری اور تبع حکمرانوں کے پاس مستقل فوج موجود تھی۔

(۳) دولت کو خزانے میں بند رکھنا حضرت علیؑ کو پسند نہ تھا، وہ اس کو مسلمانوں پر تقسیم کر دیتے تھے کہ مسلمان زندہ ہیں، طاقتور اور صحت مند ہیں تو دولت بھی آتی رہے گی، اور اگر وہ ختم ہو گئے یا طاقتور اور صحت مند نہ رہے تو خزانہ اغیار لوٹ کر لے جائیں گے، دلّی پر ہمیشہ حملے ہوا کیے کیونکہ وہاں ملک کا خزانہ موجود تھا، جو دلّی پر قابض ہو گیا وہ سارے ملک کا بادشاہ بن گیا مگر کوفہ پر کسی نے حملہ نہیں کیا اس لئے کہ علیؑ کے پاس کوئی خزانہ نہ تھا۔ وہ شام تک ساری دولت تقسیم کر دیتے تھے اور بے فکر ہو کر رات کو عبادت کرتے تھے، یا آرام فرماتے تھے، نہ غم دزد نہ غمِ کالا، حق بات تو یہ ہے کہ علی خزانے کو Man Power میں Invest کر دیتے تھے، مسلمانوں کی فوجی اور دفاعی قوت اس روپے سے تازہ دم رہتی تھی اور وقتِ ضرورت اس سے کام لیا جا سکتا تھا، رسول مقبول کے عہد میں بھی خزانے کا رواج نہ تھا، حضرت عمر کے عہد میں اس کی بنیاد پڑی تھی، مگر حضرت علیؑ نے اس کو قائم نہیں رکھا۔

الفاروق حصہ دوم صفحہ ۴۷ پر مولوی شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ صیغہ بھی حضرت عمر کی ذات سے وجود میں آیا، آں حضرت کے زمانے میں سب سے اخیر رقم جو وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی، آں حضرت نے یہ کل رقم ایک ہی جلسے میں تقسیم کر دی، حضرت ابو بکر نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ قائم نہیں کیا، بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا۔ تقریباً ۱۵ھ میں ابو ہریرہ کو بحرین کا عامل مقرر کیا، وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے، حضرت عمر نے مجلس شورے کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم بحرین سے آئی ہے، آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے، حضرت علیؑ نے کہا کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے، حضرت عثمان نے اس کے خلاف رائے دی، ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے وہاں دیکھا ہے کہ خزانے اور دفتر کا جدا جدا محکمہ ہے۔ آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا، لیکن حضرت عمر نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔"

مندرجہ بالا اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ اسوہ رسولؐ پر چلنا پسند کرتے تھے اور دوسروں کو ایران و روما کا طرزِ جہانبانی پسند تھا، رسول

رسول مقبول کے ساتھ برسوں رہتے رہتے علیؑ تو فیرِ مال اور کثرتِ دولت کی خرابیوں سے آگاہ ہو چکے تھے، تربیت نبوی نے ان کے نفس کو بتایا تھا کہ بیت المال بالآخر بادشاہوں کے عیش و عشرت کے لئے وقف ہو کر رہ جاتا ہے، اور عامۃ الناس اس کے فوائد سے محروم رہتے ہیں، اگر خزانہ کی بنیاد نہ پڑتی تو دمشق و بغداد کے خلفاء کو اِندر سبھائیں قائم کرنے کا موقع نہ ملتا۔

(۴) وہ جارحانہ اقدامات کے خلاف تھے، دفاعی جنگوں کو پسند کرتے تھے، اسی لئے مثل رسول مقبول کے ان کا دامن بھی سامراجی عزائم اور جوع الارض کے الزام سے پاک ہے، انھوں نے خواہ مخواہ کسی ملک پر حملہ کر کے اس کی دولت کو نہیں لوٹا، اس کے امن و امان میں خلل نہیں ڈالا، نبی اور امام ملکی فتوحات اور توسیع سلطنت کے لئے نہیں آیا کرتے۔ ان کا کام اصلاحِ معاشرت و معیشت ہوتا ہے، ان کی بزرگی اور عظمت کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اصلاحی مشن میں کس قدر کامیاب یا ناکام ہوئے، اگر ملکی فتوحات کامیابی کا معیار ہوتے تو سکندر، چنگیز، ہلاکو، نپولین اور ہٹلر اپنے اپنے وقت کے امام اعظم مانے جاتے۔

پھر یہ بھی نہ تھا کہ آپ میدانِ جنگ سے ڈرتے اور، کشمکشِ کارزار سے گھبراتے ہوں، جنگ بدر سے لے کر جنگ حنین تک عہدِ رسول میں اور جنگِ جمل سے لے کر جنگ نہروان تک اپنے زمانۂ حکومت میں مدافعانہ طور پر آپ نے جو جہاد و قتال کیا ہے وہ اسلامی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھا ہوا ہے۔

(۵) رسول مقبول کی طرح آپ بھی دولت کی عادلانہ تقسیم کے حامی تھے۔ ہر چند

کہ خلافت ثانیہ کے دور میں طبقات قائم ہو چکے تھے، اور حیثیت و وجاہت کے اعتبار سے وظیفے اور وثیقے مقرر کئے گئے تھے، آپ نے اس طریقے کو منسوخ کردیا اور مسلم معاشرے میں امتیازات و طبقات نہ پیدا ہونے دیئے، حکومت سنبھالنے کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا تو کل مال برابر تقسیم کردیا اور ہر مسلمان کو ڈو دو درہم دیے، اس پر امتیاز پرست لوگ بہت جزبز ہوئے اور چہ می گوئیاں ہونے لگیں، آپ نے فرمایا۔

"میرا مال بھی ہوتا تو میں تم کو برابر برابر ہی دیتا اور یہ تو ہے ہی اللہ کا مال (اور اللہ کے نزدیک سب مسلمان برابر ہیں)"

(۶) حضرت کے عہدِ خلافت کا نمایاں کارنامہ دارالحکومت کی تبدیلی ہے۔ ان شہروں پر جو تقدس و تبرک کا مرجع اور تعظیم و تکریم کا مرکز بن جاتے ہیں جمود و خمود طاری ہو جاتا ہے، نذر و نیاز اور چراغی لینے کے متمنی باشندے فوجی اسپرٹ سے بیگانہ ہو جاتے ہیں، اور کسی صالح اور نفع بخش تمدّن کو قبول کرنے کی صلاحیت ان میں باقی ہی نہیں رہتی، قدامت پرستی اور وضعداری کا غلط تصوّر اُن کو ترقّی پذیر اعمال سے روکتا ہے، اور ایجادات و اختراعات میں مانع ہوتا ہے، اجمیر و بنارس کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں، یہاں کا معاشرہ انقلابی روح سے یکسر خالی ہے، اور یہاں کے باشندے بڑھتے ہوئے زمانہ کی نت نئی تبدیلیوں کو قبول کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

ابراہیم اور آلِ ابراہیم نے ہمیشہ اس نکتہ کو پیش نظر رکھا اور قدامت پسند و زوال زدہ معاشرے سے الگ ہٹ کر اپنے مرکز بنائے۔ کلدانیہ کے

اُر سے حضرت ابراہیم کی ہجرت، حرّان سے کوچ کر کے کنعان کے ملک میں آباد ہونا اسی مصلحت کی بناء پر تھا، فتحِ مکہ کے بعد رسولِ مقبول اس کو دار الحکومت بنا سکتے تھے، مگر ان کو علم تھا کہ مکّہ کے پرانے رسم و رواج، وہاں کے خاندانی اور قبائلی تشخصات ان کے انقلابی پیام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں مانع ہوں گے، مدینہ ابھی تازہ دم تھا، اس کی آب وہوا قدامت پرستی کے جراثیم سے خالی تھی وہاں "بدنام کنندہ نکونامے چند" ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے، استخواں فروشی اور ماضی پرستی کرنے والا طبقہ ابھی وہاں وجود میں نہ آیا تھا، لیکن حضرت علیؑ نے جب عنانِ حکومت سنبھالی ہے تو مدینے میں یہ سب چیزیں پیدا ہو چکی تھیں۔ مہاجرین وانصار کی اولاد پیرزادگی کے مرض میں مبتلا تھی "ہمچو ما دیگرے نیست" کا نعرہ لگا رہی تھی، تقدّس اور تبرک فروشی میں مصروف تھی، اس لئے اب وہ کسی صالح اور ترقّی پذیر جد وجہد میں شریک ہونے کی اہلیت سے محروم ہو چکی تھی اور ان کو ساتھ لے کر کسی انقلابی پروگرام کا نافذ کرنا دشوار تھا، کوفہ ابھی نیا شہر تھا، وہاں عرب کے تازہ دم شجاع خاندان آباد تھے، وہ مسلمانوں کی وسیع وعریض حکومت کے قلب میں واقع تھا، دریائے فرات کے کنارے ہونے کی وجہ سے بحری تجارت کا مرکز بن سکتا تھا، ہندوستان، چین، خراسان اور ایران خشکی کے راستے بھی یہاں سے قریب تھے، بحری راستے سے بھی پہنچنا آسان تھا، ملکی اور فوجی سہولتوں کے لحاظ سے کوفہ کا انتخاب موزوں تھا، یہاں قیام کی وجہ سے حضرت علیؑ کو فوجوں پر اسلامی تعلیم کا

اثر ڈالنے کا موقع ملا اور کوفہ اسلامی علمی اور ادبی نشاۃ ثانیہ کا مرکز بن گیا، اُس زمانے میں اسلامی تمدن اور ثقافت کی نقابت فوجیوں ہی کے اخلاق وعادات اور کردار وخصائل کے ذریعہ ہو سکتی تھی، کیونکہ یہی لوگ دور دست شہروں اور ملکوں میں جاتے تھے، اور ان کو دیکھ کر باہر کے باشندے اسلامی تعلیم کا اندازہ لگاتے تھے، حضرت علی نے کوفہ کی چھاؤنی میں قیام کر کے اس کو اسلامی ثقافت و تہذیب کا مولد ومنشاء بنا دیا، آپ کے علمی فیوض اور علمی کارناموں کی بدولت وہاں ایک ایسی سوسائٹی پیدا ہو گئی جو زندگی کے ہر شعبے میں سبقت لے گئی۔ اور اسلامی علوم وفنون کی قیادت کا سہرا علی ہی کے سر رہا۔

جب آپ اس صدی کے مسلمانوں کی علمی ترقیوں کا جائزہ لیں گے تو آپ کے سامنے مکہ اور مدینہ کے بجائے کوفہ وبصرہ کی علمی اکیڈمیوں کا نام زیادہ آئے گا۔ عراق کی سرزمین پر جو علمی ترقیاں ہوئیں، ادبی، تاریخی، لسانیاتی اور فلسفیانہ لٹریچر پیدا کرنے میں یہاں کے لوگوں نے جو بیش از بیش حصہ لیا وہ بہت کچھ اس ذات والاصفات کا منت پذیر ہے، جس کے علمی خطبوں نے تحقیق وتدقیق، علمی غور وخوض اور سائنٹفک تجسس وتدبر کی نئی راہیں کھول دیں۔

نہج البلاغہ کے خطبے فن خطابت وتقریر کے شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ علمی درس بھی ہیں، یہ انھیں خطبوں کا فیض تھا کہ اونٹ چرانے والے عرب معلّم عالم اور مدرس علوم بن گئے اور ان کے علمی کمالات اور علمی تجربات نے یونان وروما کو شرما دیا۔

کوفہ فوجی چھاؤنی تھا، وہاں مسلم دنیا کے ہر خطّے کے باشندے آکر آباد ہو گئے تھے، ان میں اچھے بھی تھے بُرے بھی تھے، کوفیوں کے کردار کی برائیاں آپ نے بہت سنی ہوں گی، مگر یہ نہ بھولئے کہ حق پر قائم رہنے والے اور حق پر جان دینے والے بھی یہیں پیدا ہوئے، جابر وظالم سلاطین کے خلاف اگر کسی شہر نے مسلسل اور متواتر احتجاج کیا ہے تو وہ یہی کوفہ ہے، اسلام کے جانبازوں اور جاں نثاروں کی فہرست بنائیے اور دیکھئے کہ اس میں کوفہ کے باشندوں کے کتنے نام ہیں، اور دوسرے شہروں کے رہنے والوں کا کیا تناسب ہے؟ غرض حضرت علی نے کوفہ کو اپنے قیام کے لئے منتخب کر کے اسلامی دنیا میں ایک نئے مرکز علمی و عملی کا اضافہ کیا اور وہاں علم دوستوں اور فدا کاروں کی سوسائٹی پیدا کر کے ایک نئے دور کا آغاز کیا اور اس سوسائٹی نے تاریخ اسلام میں وہ کارہائے نمایاں کئے جو مکّے اور مدینے کے تقدّس مآب طبقے سے بن نہ آئے۔

نظامِ حکومت الٰہی

حضرت علی علیہ السلام کا ایک مشہور فرمان

یہ وہ عہد ہے جس کو پورا کرنے کا بندۂ خدا علی امیر المومنین نے مالک بن حارث اشتر کو مصر کا والی بناتے وقت حکم دیا۔ فرائض ان کے یہ تھے کہ وہ اس ملک کا خراج وصول کریں، اس کے دشمنوں سے جہاد کریں، وہاں کے باشندوں کی اصلاح کریں اور اس کے شہروں کو آباد کریں۔

(۱) میں ان کو حکم دیتا ہوں کہ خدا سے ڈریں اور اس کی اطاعت کو مقدم رکھیں اور ان واجب اور سنت احکام کا اتباع کریں جن کا حکم اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے کہ کوئی شخص بغیر ان کے اتباع کے معراجِ سعادت پر فائز نہیں ہو سکتا اور اس کا انکار کرنے اور اس کو ضائع کرنے ہی سے شقی ہوتا ہے۔ اور (یہ بھی حکم دیتا ہوں) کہ اپنے دل، ہاتھ اور زبان سے اللہ کی نصرت کریں۔ پس جو اس کی نصرت کرے اس کی نصرت کا اور جو اس کی عزت ملحوظ رکھے اس کے اعزاز کا وہ متکفّل ہوتا ہے۔

میں حکم دیتا ہوں کہ شہوات کی طرف مائل ہوتے وقت اپنے نفس کی قوتوں کو توڑ دیں اور سرکشی کرتے وقت اس کو (منازعت و مخالفت) سے باز رکھیں، کیونکہ نفس ہمیشہ برائی کا حکم دینے والا ہے مگر یہ کہ جب خدا اپنا رحم و کرم فرمائے۔

(۳۱) اے مالک! یہ سمجھ لو کہ میں تم کو ان شہروں کی طرف بھیج رہا ہوں جہاں تم سے پہلے صاحب عدل اور صاحب جور حکومت گزر چکی ہیں (یاد رکھو) کہ لوگ تمہارے امور کو بھی اسی طرح دیکھیں گے جس طرح تم اپنے پیش رو والیانِ ملک کے امور کو دیکھتے رہے ہو اور تمہاری بابت بھی وہی باتیں کہیں گے جو تم (گذشتہ حکام) کی بابت کہتے رہے ہو۔

اور صالحین (کی صلاحیت) پر اسی (ذکر جمیل) سے استدلال کیا جاتا ہے جو اللہ زبان خلق پر جاری کر دیتا ہے۔ پس چاہیے کہ عملِ صالح کا ذخیرہ تمہارے نزدیک محبوب ترین ذخیرہ ہو۔ اپنی خواہشاتِ نفسانی پر قابو رکھو اور ان چیزوں سے جو تمہارے لئے حلال نہ ہوں اپنے نفس کو باز رکھو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس جن امور کو پسند کرتا ہو اور جن سے اس کو نفرت ہو ان کی نسبت اس کو انصاف پر مائل کرو اور اپنے دل میں رعیت پر لطف و محبت اور مہربانی کرنے کا جذب و احساس پیدا کرو اور ان کے ساتھ ضرر رساں درندہ کا سا سلوک نہ کرو جو ان کو کھا لینا ہی غنیمت سمجھتا ہے۔ کیونکہ ان میں دو ہی قسم کے لوگ ہیں یا تو تمہارے دینی بھائی یا وہ لوگ جو (چہرے مہرے، ہاتھ پاؤں اور جسم) کی بناوٹ کے لحاظ سے

تم ہی جیسے انسان ہیں (تمہاری طرح) ان سے بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں، اور ان کو بھی (خطا و نسیان اور سہو و عصیاں) کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور ان سے عمداً یا سہواً برائیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ پس تم ان کو اسی طرح معاف کر دیا کرو اور درگزر کرتے رہو جس طرح تم چاہتے ہو کہ خدا تم کو معاف کر دے اور تمہاری برائیوں کو درگزر کرے۔ (اس دنیا میں ایک کے اوپر دوسرا نگراں موجود ہے) تم ان لوگوں پر (حاکم) ہو۔ تمہارا امیر تم پر (نگراں) ہے اور خدا اس پر بھی (حاکم) ہے۔ جس نے تم کو والی بنایا ہے، ان کے امور کا متکفل کیا ہے اور ان کے ذریعے سے تمہاری آزمائش کرنی چاہی ہے۔

اور (قوانینِ فطرت) خدا سے جنگ مول لے کر اپنے نفس کو تعب میں نہ ڈالو کیونکہ تمہارے اندر نہ اس کے عذاب کو دفع کرنے کی طاقت ہے، نہ اس کے عفو و رحمت سے مستغنی ہونے کی قوت، (کسی کو معاف کر کے) نادم و شرمندہ نہ ہو، (کسی کو) سزا دے کر خوش نہ ہو اور (غصہ میں) کوئی ایسی بات یا کام کرنے میں جلدی نہ کرو جس کے ترک کی گنجائش ہو اور یہ نہ کہتے پھرو کہ میں امیر ہوں حاکم ہوں، میری اطاعت لازم ہے، کیونکہ اس سے قلب فاسد اور دین کمزور ہوتا ہے، اور تغیرات دنیا قریب آجاتے ہیں، اور جب کبھی ریاست و امارت تمہارے دل میں تکبر اور گھمنڈ پیدا کرے تو غور کرو کہ تمہارے اوپر اللہ کی حکومت کتنی عظیم الشان ہے اور خود تمہارے نفس کی ان باتوں پر وہ قدرت و تصرف رکھتا ہے جو تم نہیں رکھتے۔ اس سے تمہارا جوشِ نخوت کم اور حدتِ سطوت تک جائے گی اور گئی ہوئی عقل واپس آجائے گی۔

(۴) دیکھنا! عظمت واقتدار میں خدا کے مقابل اور سطوت وجبروت میں اس سے مشابہ بننے سے بچتے رہنا کیوں کہ وہ ہر جبّار کو ذلیل اور ہر متکبّر کو خوار کردیتا ہے۔

(۵) اپنے نفس، اپنے خاص اعزا و اقارب اور ان افراد رعیّت کے مقابلے میں جن کی طرف تم کو خاص میلانِ طبع ہو خدا اور عامۃ الناس کے ساتھ انصاف ملحوظ رکھو۔ ؎

اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ظالم ٹھیرو گے اور جو شخص بندوں پر ظلم کرتا ہے خدا خود اپنے بندوں کی طرف سے اس کا مخالف بن جاتا ہے اور جس سے وہ مخالفت و مخاصمت کرے اس کی حجت کو وہ باطل کردیتا ہے اور جب تک وہ اپنے ظلم سے باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے وہ اس سے بر سر جنگ رہتا ہے اور ظلم سے زیادہ کوئی چیز اس کی نعمت کو بدلنے اور اس کے عذاب کو قریب کردینے والی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مظلوموں کی دعاؤں کو سننے والا ہے اور ظالموں کی گھات میں رہتا ہے۔

(۶)

جمہور کی رضامندی

اور تم کو وہی امر سب سے زیادہ پسند ہونا چاہئے جو بلحاظ حق سب سے زیادہ

؎ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اپنے نفس یا اپنے عزیزوں اور منظورِ نظر افراد رعایا کی خاطر تم حقوق عباد کو ضائع و برباد کرو کہ بس دنیا میں یہی تین چٹانیں ہیں جن سے ٹکرا کر عدل و انصاف کے جہاز پاش پاش ہوا کرتے ہیں۔

وسط میں واقع ہو، بلحاظ عدل سب سے زیادہ عمومیت رکھتا ہو اور رعایا کی[1]
رضامندی کا سب سے زیادہ جامع ہو، کیوں کہ عامۃ الناس کی ناراضگی خواص
کی رضامندی کو بے اثر و بے سود بنا دیتی ہے اور عامۃ الناس کی رضامندی
کے ساتھ خواص کی ناراضگی ناقابلِ التفات ہو جاتی ہے۔ تمام رعایا میں
طبقہ خواص سے زیادہ (حسب ذیل برائیاں) رکھنے والا اور کوئی نہیں ہوتا۔

(۱) خوش حالی کے وقت والی کے لئے سب سے زیادہ بار خاطر۔

(۲) مصیبت کے وقت سب سے کم مدد کرنے والا۔

(۳) انصاف و عدل سے نفرت کرنے والا۔

(۴) سوال کرنے میں بےجا اصرار کرنے والا۔

(۵) اگر عطیات ملیں تو سب سے کم شکر گزار۔

(۶) نہ ملیں تو قبول عذر میں بہت سست۔

(۷) حوادث زمانہ پر سب سے کم صبر کرنے والا

(طبقۂ خاص کا تو یہ حال ہے، برخلاف اس کے) عامۃ الناس
ستونِ دین اور نظام مسلمین ہوتے ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں تیار فوج
کا کام دیتے ہیں، پس تمہارا رجحانِ خاطر اور میلانِ طبع انہی کی طرف ہونا چاہیئے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ تمہارا طرز حکومت ایسا ہو جو عامۃ الناس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکے۔ تاکہ وہ تم کو محبوب سمجھنے لگیں، کہ اصل میں حکومت کی بقا عامۃ الناس ہی کی خوشنودی پر مبنی ہے۔

چغل خور سے بچو

(۷) تم کو چاہئے کہ رعیت کا جو آدمی لوگوں کی عیب جوئی میں زیادہ مشغول رہتا ہو۔ اس کو اپنے پاس سے بہت دور رکھو، کیونکہ لوگوں میں عیوب تو ضرور ہوتے ہیں۔ اور والی سے زیادہ ان عیوب کی پردہ پوشی کا حق کس کو ہو سکتا ہے۔ پس جو عیوب تمہاری نظر سے پوشیدہ ہیں ان کی تلاش نہ کرو۔ کیونکہ تم پر تو انہیں عیوب کا ازالہ کرنا فرض ہے جو ظاہر ہوں اور جو تمہاری نظر سے پوشیدہ ہوں ان کا فیصلہ خداوند عالم کرے گا۔ پس حتی الامکان لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالو، تاکہ خدا بھی تمہارے وہ عیوب چھپائے جن کو تم رعیت سے مخفی رکھنا چاہتے ہو۔

(۸) لوگوں کے (دلوں سے) ہر قسم کے حسد اور کینہ کی گرہ کھولتے اور ہر طرح کی عداوت کے سبب کو دفع کرتے رہو اور جو امور تمہارے لئے مناسب نہیں ان کو نظر انداز ہی کرتے رہو اور چغل خور کی باتوں کی تصدیق کرنے میں جلدی نہ کرو کیونکہ ایسا شخص دل کا کھوٹا ضرور ہوتا ہے اگرچہ وہ ناصح (مشفق) ہی کے لباس میں کیوں نہ نظر آئے۔

مشیر کیسا ہونا چاہئے

(۹) اپنے مشورہ میں اس بخیل کو ہرگز داخل نہ کرو جو تم کو (رعایا پر) تفضّل کرنے سے روکے اور فقیر ہو جانے کا خوف دلائے۔ اور نہ اس بزدل کو اشریک کرو

جو تم کو التزام امور میں کمزور بنائے اور نہ اس حریص کو اشریک کرو) جو حرص وطمع کو تمہاری نگاہ میں زینت دے۔ بات یہ ہے کہ بخل، جبن اور حرص ہیں تو مختلف طبعی (خصائل) مگر ان کا جامع (اور قدر مشترک) اللہ کی طرف سے سوء ظن[1] ہے۔

انتخاب وزراء

(۱۰) تمہارا سب سے برا وزیر وہ شخص ہوگا جو تم سے پہلے اشرار کا وزیر اور معاصی میں ان کا شریک رہ چکا ہو، پس لازم ہے کہ وہ تمہارے خواص میں داخل نہ ہونے پائے، کیونکہ ایسے لوگ گنہگاروں کے مددگار اور ظالموں کے بھائی ہوتے ہیں، تم کو ان کے اخلاف میں وہ لوگ مل سکتے ہیں جو انہی کی طرح صاحب الرائے اور صاحب نفوذ و اثر ہوں اور ان کی طرح گناہوں کا بار بھی اپنی گردن پر نہ رکھتے ہوں (یہ ایسے لوگ ہوں گے) کہ انہوں نے کسی ظالم کی مدد ظلم میں اور کسی گنہگار کی تائید اس کے گناہ میں نہ کی ہوگی، وہ لوگ تمہارے لئے نہایت سبک بار، اچھے مددگار اور سب سے زیادہ مہربان ثابت ہوں گے، ان کو تمہارے اغیار سے بہت کم الفت ہوگی، پس تم انہیں لوگوں کو خلوت اور جلوت میں خاص ہمنشیں بناؤ اور ان میں سے بھی اس شخص کو ترجیح دو جو حق کی تلخ باتیں سب سے زیادہ کہنے والا ہو اور ایسے امور میں تمہاری مساعدت سب سے کم کرنے والا ہو جن کو خداوند عالم

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کے فضل وکرم اور اس کی قدرت کاملہ کا یقین نہیں رکھتا وہی ان بری عادتوں کا شکار ہوتا ہے۔

اپنے دوستوں کے لئے پسند نہیں کرتا خواہ وہ تمہاری خواہش دل کے کتنے ہی مطابق کیوں نہ ہوں۔

خوشامد پسند نہ بنو

(۱۱) اہل ورع اور صدق سے ملو اور ان کو اس کا عادی بنا لو کہ تمہاری زیادہ تعریف نہ کیا کریں اور کسی ایسے کام کو جو تم نے کیا نہ ہو جھوٹ موٹ تمہاری طرف منسوب کر کے تمہارا دل خوش نہ کریں، کیونکہ مدح و ثناء کی کثرت عجب و نخوت پیدا کرتی ہے اور کبر و غرور سے قریب کر دیتی ہے۔

اچھے اور بُرے کا فرق

(۱۲)

نیک عمل اور بدکار دونوں تمہارے نزدیک برابر نہ ہوں اس لئے کہ ایسا کرنا نیکوں کو اچھے کام سے روگردان اور بدکاروں کو برے کام کا خوگر بنا دیتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اسی (چیز) کا مستحق قرار دو[1] جس کو اس نے اپنے نفس کے لئے لازم کر لیا ہے۔

حسن ظن کیونکر پیدا ہو سکتا ہے؟

یہ جان لو کہ اس سے زیادہ کوئی شئے حاکم کے دل میں رعیت کی طرف سے حسن ظن پیدا کرنے والی نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ احسان کرے اور ان کی

---

[1] مطلب یہ ہے کہ اچھے عمل والے کو انعام و اکرام کا مستحق ٹھیراؤ کہ دوسروں کو عمل صالح کی ترغیب ہو اور بد اعمال کو سزا دو کہ اس کو دیکھ کر اور لوگ عبرت حاصل کریں۔

بار کو ہلکا کرتا رہے، اور ایسے امور پر ان کو مجبور کرنا چھوڑ دے جو ان کے بس کے نہیں ہیں۔ پس تم سے وہی بات ظاہر ہو جو تمہارے دل میں رعیت کی طرف سے حسن ظن پیدا کر سکے، یہ حسن ظن تمہارے بہت سے تعب کو دور کر دے گا اور درحقیقت وہی شخص تمہارے حسن ظن کا زیادہ حقدار ہے جس کے ساتھ تم نے نیک سلوک کیا ہے اور سوءظن کا حقدار وہ ہے جس کے ساتھ تم نے برا سلوک کیا ہے۔ ؎

قدامت پسندی اور تجدد

(۱۴)

اور تم اس اچھی سنّت (طریقہ وقاعدہ) کو نہ توڑو جس پر اس امت کے اگلے لوگ عمل کرتے رہے ہیں، جس سے امت کے درمیان رشتۂ الفت قائم ہے۔ اور جس پر رعیّت کی صلح وصفائی کا مدار ہے۔ اور کوئی نیا طریقہ ایسا نہ ایجاد کرو جو (ان اچھی) سنن قدیمہ میں سے کسی کو نقصان پہنچائے کیونکہ اجر تو اس کو ملیگا جس نے یہ سنّت جاری کی تھی اور اس کو توڑ دینے کا سارا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

(۱۵) اور ان امور کے ثابت وقائم رکھنے کے لئے جن کی وجہ سے تم سے پہلے (اس ملک کے) شہروں کے معاملات روبہ اصلاح رہے اور وہاں رہنے والے لوگوں کی خوشحالی قائم رہی، علماء وحکماء سے بکثرت صلاح ومشورے کرتے رہا کرو۔

؎۔ مطلب یہ ہے کہ تم ہمدردی کی امید اسی سے رکھ سکتے ہو جس سے تم نے نیک سلوک کیا ہو، جس کے ساتھ برائی کی ہے اس سے سوائے برائی کے تم کو اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

طبقاتِ رعایا

(۱۶) واضح ہو کہ رعیّت کے کئی طبقے ہوتے ہیں (ان کے درمیان رشتۂ اتحاد و سلسلۂ احتیاج اس طریقہ پر قائم ہے کہ) ایک کے بغیر دوسرے کی اصلاحِ حال نہیں ہو سکتی اور نہ ایک دوسرے سے کبھی مستغنی ہو سکتا ہے (اب ان طبقات کی تفصیل سنئے۔) (۱) فوج اور پولیس (۲) عام کاتب General Secretaries[1] (۳) خاص کاتب (Private Secretaries) (۴) قاضی (Judges) (۵) اور محکمۂ عدل کے دوسرے عمال (Judicial Officers) (۶) ذمی اور ہمارے حلقۂ اطاعت میں آئے ہوئے لوگ جو جزیہ اور خراج ادا کرتے ہیں (۷) تجّار (۸) اہلِ صنعت و حرفت (۹) سوسائٹی کا پست ترین طبقہ یعنی محتاج و مساکین۔ خداوندِ عالم نے ان میں سے ہر طبقہ کا علیحدہ علیحدہ حق (Right) اور فریضہ (Obligation) اپنی کتاب اور اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ) کی سنّت میں مقرر فرمایا ہے، اور یہ بطور اس کے عہدِ محفوظ کے ہمارے پاس موجود ہے۔

(۱۷)

لشکر

فوج اور پولیس اللہ کے حکم سے رعیت کے لئے قلعہ اور جائے محفوظ والی کی زینت اور دین کے لئے باعثِ عزت اور سبیلِ امن و امان ہوتی ہے۔ رعیّت (کی اجتماعی اور تمدنی حالت) بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی، اور یہ فوجیں بغیر

[1] اس زمانہ میں کاتب سکریٹری کو کہتے تھے۔

اس خراج کے قائم نہیں رہ سکتیں جو خدا نے ان کے لئے معین کیا ہے، اس سے وہ دشمن سے لڑنے میں قوّت پاتی ہیں اور اس کے وسیلہ سے اپنے مصالح و لوازم کو مہیّا کرتی ہیں، اور یہ ان کی تمام حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ پھر یہ دونوں طبقے (یعنی رعایا اور فوج) بغیر تیسرے طبقہ یعنی قضاۃ، عمال اور کاتب لوگوں کی مدد کے قائم نہیں رہ سکتے، کیونکہ (اول الذکر) ان کے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں (ثانی الذکر) ان کے لئے ہر طرح کے منافع جمع کرتے ہیں اور (ثالث الذکر) ان کے جملہ امور خاص و عام کے امین ہوتے ہیں (قضاۃ، عمال و کتّاب) سب کے سب بغیر تجار اور اہلِ صنعت و حرفت کے قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ تاجر اپنے منافع کے لئے مجتمع ہوتے ہیں اور بازار قائم کر سکتے ہیں، اہل صنعت اپنے ہاتھوں کی کاریگری سے سوسائٹی کی ایسی مدد کرتے ہیں کہ دوسروں کا اکتساب اور کاریگری اس کی حد تک نہیں پہنچ سکتی، رہا سب سے پست طبقہ محتاج و مساکین کا تو ان کی اعانت و دستگیری کرنا فرض ہے، اللہ نے ہر ایک کو وسعت عطا کی ہے اور بقدر اپنی صلاحیت کے ہر ایک کا والی پر حق ہے اور والی بغیر اس کے کہ اہتمام بلیغ کرے اور خدا سے مدد چاہے اور اپنے نفس کو حق پر قائم رکھے اور ہر ایک سبک و گراں امر پر صبر و شکر کی قوت پیدا کرے، ان تمام فرائض کو جو خدا نے اس پر لازم کئے ہیں پورا پورا ادا کر کے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

اپنی فوجوں پر اس شخص کو افسر مقرر کرو جو تمہارے خیال میں اللہ اس کے رسول اور تمہارے امام سے بنسبت دوسروں کے اخلاص رکھتا ہو، سب سے

زیادہ صاف باطن ہو اور بلحاظ علم و عقل سب سے افضل ہو۔ اس کو دیر میں غصہ آتا ہو، اور عذر قبول کر لیتا ہو، ضعیفوں پر مہربان اور قوی لوگوں پر سخت ہو۔ قساوت کی وجہ سے تند مزاج اور کمزوری کی وجہ سے عاجز نہ ہو جاتا ہو۔ (فوج میں اچھے سپاہیوں کی بھرتی اور افسروں کے انتخاب و تقرر کے لئے ضروری ہے کہ) ان لوگوں سے اختلاط و ارتباط رکھو جو صاحبانِ حسب و نسب، شریف خاندان اور خوبیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہوں (یا جن کی سابقہ خدمات کا ریکارڈ عمدہ ہو) اور ان لوگوں سے بھی ربط ضبط رکھو جو اہل شجاعت و سخاوت ہوں کہ یہی لوگ مجمع مکارم اور فروع حسنات ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے امور کی ایسی دیکھ بھال کرتے رہو جیسے والدین اپنی اولاد کی (نگہداشت) کرتے ہیں، اور تم اپنے دل میں کسی ایسی چیز کو جس کے ذریعہ سے تم نے ان کو قوت پہنچائی ہے بڑا نہ سمجھو (کہ وہ اس سے بڑے احسان کے اہل ہیں) اور کسی مہربانی کو جو تم نے ان کے ساتھ کی ہو حقیر نہ سمجھو اگرچہ (واقعی) وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ وہ بھی ان کے دل میں تمہاری طرف سے خلوص و حسن ظن پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

اور ان کے چھوٹے چھوٹے امور کی خبر گیری کرنا اس بھروسہ پر نہ چھوڑ دو کہ تم نے ان کے بڑے امور کی دیکھ بھال کر لی ہے، کیونکہ تمہاری تھوڑی مہربانی بھی برمحل ہوتی ہے کہ اس سے وہ منتفع ہوتے ہیں، اور بڑی عنایت بھی باموقع ہوتی ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے اور فوج کے افسروں میں سے اسی کو تمہارے حضور میں ترجیح ہونی چاہیئے جو (فوجیوں) کی غمخواری کرتا ہو اور اپنے

مال و دولت سے ان کو اتنا فیض پہنچاتا ہو کہ ان کے لئے اور ان کے اہل و عیال کے لئے جن کو وہ پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں کافی ہو سکے یہاں تک کہ ان کو ایک ہی فکر باقی رہ جائے یعنی دشمن سے جہاد، اور بس، ان کے حال پر تمہاری یہ توجہ ان کے قلوب کو تمہاری طرف مائل کرے گی۔

اور والیان ریاست کے لئے بہترین خنکئ چشم (اور مسرت قلب) کا باعث یہی ہے کہ شہروں میں عدل و انصاف قائم ہو، اور رعیت کی محبت و مودّت ظاہر ہونے لگے، اور جب تک ان کے دل سالم اور صاف نہ ہوں ان کی طرف سے محبت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور ان کا اخلاص اس وقت تک درست (و قابل اعتبار نہیں ہو سکتا) جب تک کہ وہ اپنے والی کے تحفظ پر آمادہ نہ ہوں، اس کے عہد دولت کو گراں سمجھنا اور یہ خیال کرنا نہ چھوڑ دیں کہ اس کی مدتِ حکومت ختم ہونے میں بڑی دیر لگی، پس تم ان کی امیدوں کو پورا کرنے میں وسعت سے کام لو اور برابر ان کی مدح و ثنار کرتے رہو، اور ان کے بہادروں نے جو بڑے بڑے کام انجام دیئے ہوں ان کا ایک ایک کر کے شمار و اظہار کرتے رہو، کیوں کہ اچھے کاموں کا کثرت سے ذکر کرنا شجاع کو حرکت میں لائے گا اور لپست ہمت کو جرأت دلائے گا۔ انشاء اللہ۔

پھر یہ واقفیت حاصل کرتے رہو کہ کس نے کون سا بڑا کام انجام دیا ہے۔ اور ایک کے کارنامہ کو دوسرے کی طرف منسوب نہ کرو اور اس کارنامے کیوجہ سے وہ حسن انعام و اکرام کا مستحق ہو اس میں کمی نہ کرو (اور دیکھنا ایسا نہ ہو کہ) کسی آدمی کی وجاہت و شرافت تم کو اس طرف مائل کر دے کہ تم اس کے چھوٹے کاموں کی

بڑا سمجھنے لگو اور کسی کی کم حیثیتی اس بات کی ترغیب دلائے کہ تم اس کے بڑے کاموں کو بھی حقیر جاننے لگو، اور جو ناگہانی مشکلات تم کو پیش آئیں اور جن امور میں تم کو شک و شبہ لاحق ہو ان کو خدا اور اس کے رسول کی طرف رد کرو یا کرو کیونکہ خداوند عالم نے ان لوگوں کی بابت جن کو وہ راہ ہدایت دکھانا چاہتا ہے فرمایا ہے " اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اور جو تم میں سے صاحب امر ہوں ان کی اطاعت کرو، پس اگر کسی چیز پر تم میں تنازعہ ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف اس کو رد کر دو "۔

خدا کی طرف رد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی محکم کتاب سے احکام لئے جائیں اور رسول کی طرف رد کرنے سے یہ مقصد ہے کہ ان کی ایسی سنّت پر عمل کیا جائے جو متفق علیہ ہے، نہ کہ ایسی سنت جس میں اختلاف ہے۔

محکمۂ قضا

(۱۸)

لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمہارے خیال میں تمہاری ساری رعیت میں افضل ہو، معاملات کی (پیچیدگی) اس کو تنگی میں نہ ڈالتی ہو، جھگڑا کرنے والوں کی (ردوقدح) اس کو غضبناک نہ کرتی ہو اور وہ خطا پر (اس کے ظاہر ہونے کے بعد) قائم نہ رہتا ہو اور حق پر مطلع ہو جانے کے بعد اس کی طرف بازگشت کر لینے سے تنگ نہ ہوتا ہو، اور اپنے نفس کو طمع (کے غار) میں نہ گرا دیتا ہو، اور معاملات میں انتہائے فہم سے کام لینے کے بجائے (سرسری نظر اور) معمولی فہم پر اکتفا نہ کرتا ہو، مواقعِ شبہات میں جہاں کوئی نصِ صریح

نہ بل سکے، اٹکل پچو حکم صادر کرنے والا نہ ہو بلکہ) سب سے زیادہ توقف و تامل کرنے والا ہو، اور اپنے (فیصلوں میں) دلائل (شرعیہ) و براہین (قطعیہ) سے تمسک کرنے والا ہو، مقدمہ لڑنے والے کی جوابدہی سے بہت کم تنگ دل اور حقائق امور کو منکشف کر لینے کی (زحمت) پر صبر کرنے والا، اور حکم صحیح کے ظاہر ہو جانے کے بعد (نزاع و خصومت) کو قطع کرنے والا ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے ہو جو دوسروں کی مدح و ثنا (اور خوشامد) کرنے سے پھول نہ جاتے ہوں اور کسی کے ابھارنے سے (ناحق کرنے پر) مائل نہ ہو جاتے ہوں (دنیا میں) ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں، پھر تم (اس کی طرف سے غافل نہ رہو بلکہ) اس کے فیصلوں کی اکثر دیکھ بھال کرتے رہو، اور اس کے ساتھ بذل و عطا میں اتنی وسعت دو کہ اس کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور اس کو لوگوں کی احتیاج باقی نہ رہے (اور طبیعت رشوت ستانی پر مائل نہ ہو) اپنے نزدیک اس کو وہ قرب و منزلت عطا کرو کہ جس کی تمہارے خواص میں سے کوئی دوسرا طمع نہ کر سکتا ہو۔ تاکہ وہ تمہارے ہاں لوگوں کی بد گوئی سے محفوظ رہے، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر خوب غور و فکر کرو، کیونکہ یہ دین پہلے اشرار کے ہاتھوں میں گرفتار تھا، ہوائے نفس کے حکم کے مطابق اس پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا اور اس کو طلب دنیا کا وسیلہ بنایا جاتا تھا۔

عُمالِ سلطنت

(۱۹)

اب اپنے عاملوں کے امور پر غور کرو (دیکھنا) ان کا تقرر جانچنے پرکھنے کے بعد کرنا، (ایسا نہ ہو کہ) اپنے استبداد اور خودداری سے محض بطور پرورش و اعانت

کسی کو حاکم مقرر کر دو (کیونکہ کسی خصوصیت کی بناء پر یا ، بطور پر دریغ اپنی رائے سے حاکم مقرر کر دینا) طرح طرح کی خیانت اور ظلم و جور کو جمع کر دیتا ہے۔ (ان عہدوں کے لئے) ایسے لوگوں کو تلاش کرو جو شریف خاندان اور سابق الاسلام ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار اور حیادار بھی ہوں، کیوں کہ ایسے لوگ سب سے زیادہ خوش اخلاق، آبرودار، مواقع طمع کی طرف بہت کم نگاہ ڈالنے والے اور عواقب نتائج امور پر گہری نظر ڈالنے والے ہوتے ہیں، تم ان کو پورا پورا رزق عطا کرو۔ کیوں کہ اس کی بدولت انھیں اپنے نفس کے لئے طلب اصلاح کی قوت اور اپنے قبضہ میں رہنے والے اموال پر تصرف کرنے سے استغنا حاصل ہو جائے گا، اور (اس کے باوجود) اگر وہ تمہارے حکم کی مخالفت کریں اور تمہاری امانت میں خیانت کریں تو تم کو ان پر ایک حجت ہاتھ آجائے گی، اور (یہ نہ ہو کہ تم ان کا تقرر کر کے بالکل غافل ہو جاؤ) بلکہ ان کے کاموں کے متعلق تجسس و تفتیش بھی کرتے رہو اور ایسے (جاسوس اور) نگراں ان پر مقرر کر دو جو صاحب صدق و وفا ہوں، ان کے امور کی جانچ) کے لئے خفیہ پولیس کا مقرر کر دینا ان کو امانت داری اور رعیت کے ساتھ رفق و مدارا کرنے پر آمادہ کرتا رہے گا۔ پس ان میں سے اگر کوئی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمہارے پاس تمہارے جاسوس کی متفقہ رپورٹ پہنچ جائے تو اس کو کافی شہادت تصور کر کے خائن کو جسمانی سزا دو اور جو کچھ اس نے ناجائز تصرف کیا ہے وہ اس سے وصول کر لو، پھر اس کو ذلت و خواری کے مقام پر کھڑا کر کے خیانت کا داغ لگا دو اور ننگ و عار کا طوق اس کے گلے میں ڈال دو۔

صیغۂ مال گزاری

(Revenue Department)

(۲۰)

پھر معاملات خراج کی چھان بین اس طریقہ سے کرو جو اہل خراج کی بہبودی کا باعث ہو سکے، کیونکہ خراج اور اہل خراج ہی کی بہبودی کے ساتھ دوسروں کی بہبودی وابستہ ہے، اور انہی کے ذریعہ سے دوسروں کی حالت درست ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کل آدمیوں کی معیشت اور گذربسر کا دارومدار خراج اور اہل خراج پر ہے۔ اور (دیکھنا) خراج وصول کرنے سے زیادہ تمہاری نظر زمین کی آبادی (یعنی کاشت وغیرہ) پر ہونی چاہیئے، اس لئے کہ خراج بغیر آبادی کے نہیں حاصل ہو سکتا۔ اور جس نے زمین کو آباد کئے بغیر خراج طلب کیا اس نے ملک کو خراب اور بندگان خدا کو برباد کیا، اور اس کی حکومت چند دن سے زیادہ نہ چل سکے گی، اگر (کاشتکار) مقدار خراج کے بھاری ہونے یا کسی آفت ناگہانی اور زراعتی بیماری (یعنی ٹڈی دل کا گزرنا، کیڑا لگ جانا وغیرہ) یا آبپاشی کے بند ہو جانے، بارش نہ ہونے، زمین کے غرق رہنے یا بخوبی سیراب نہ ہو سکنے سے بوئے ہوئے بیج کے خراب ہو جانے کی شکایت کریں تو (ان کے خراج) سے اتنی مقدار جس سے ان کی اصلاح حال کی توقع ہو کم کردو، یہ تخفیف تم پر گراں نہ گزرے کیونکہ یہ ایک ذخیرہ (INVESTMENT) ہے جس کو وہ تمہارے ملک کی آبادی اور ولایت کی زیب و زینت کی شکل میں تم کو واپس کردیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ تم کو ان کی مدح و ثنا بھی حاصل ہوگی اور ان میں عدل و انصاف جاری کرنے سے تم کو مسرت و شادمانی بھی نصیب ہوگی، ان کو راحت پہنچا کر جو کچھ تم نے ان کے پاس ذخیرہ (Invest) کیا ہے وہ (خوش حالی اور فراوانی کے

(زمانہ میں) ان کی بھی موٹی روزی سے وصول کر کے (عند الضرورت) سہارا بنا سکو گے۔ ان کے ساتھ نرمی کر کے اور ان کو اپنے عدل و انصاف کا عادی بنا کر ان کا اعتماد بھی حاصل کر لو گے۔ اس کے بعد اگر ناگہانی امور پیش آئیں گے اور تم ان سے مدد طلب کرو گے تو وہ بخوشی اس کا بار اٹھا سکیں گے، کیونکہ (ملک کی آبادی و خوش حالی ہر بار اٹھا سکتی ہے اور زمین والوں کا افلاس ہی زمین کی تباہی کا باعث ہوتا ہے اور افلاس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام کے نفوس (مال و دولت) جمع کرنے پر مائل ہو جاتے ہیں، ان کو اپنے (عہدوں پر) باقی رہنے کا اطمینان نہیں رہتا اور (زمانے کے) عبرتناک (واقعات) سے وہ بہت کم نفع حاصل کرتے ہیں۔

SECRETARIAT

(۲۱)

پھر تم اپنے کاتبوں (دبیروں، سکریٹریوں) کے حالات پر نظر کرو، انہیں سے بہتر شخص کو اپنے (خاص) امور پر معیّن کرو، اور ان خطوط و رسائل کو جن میں اپنی پوشیدہ تدابیر و اسرار درج کرتے ہو اسی کے ساتھ مخصوص رکھو جو صاحب اخلاقِ حسنہ ہو اور عزت و کرامت اس کو اتنا مغرور نہ کر دے کہ مجمعِ عام میں تمہاری مخالفت کر بیٹھے اور غفلت کی وجہ سے تمہارے عمال کے عریضے پیش کرنے اور تمہاری طرف سے جو کچھ لین دین کرتا ہو اس کے متعلق تمہاری طرف سے مناسب جوابات صادر کرنے میں کوتاہی نہ کرتا ہو، اور تمہارے لئے کسی سے کمزور معاملہ کرتا ہو اور نہ کسی ایسے معاملے کے فسخ کر دینے سے عاجز ہو جو تمہارے لئے مضر ہو اور اس حقیقت سے بےخبر نہ ہو کہ (نظم و نسق) امور میں تیرے نفس کی رسائی کس حد تک ہے، کیونکہ جو اپنے نفس کی قدر و قیمت سے ناواقف ہے وہ دوسرے کی قدر سے کیا واقف ہوگا (تم

کو چاہیئے کہ) محض اپنی عقل و فراست، اعتماد اور حسنِ ظن کی بناء پر ان کا انتخاب نہ کرو کیونکہ (لبا اوقات) لوگ محض تصنّع اور حسن خدمت (چاپلوسی) ہی کو حکام کی نظر فراست میں تعارف اور روشناسی کا ذریعہ بناتے ہیں، حالانکہ باطن میں اخلاص و دیانت کا پتہ بھی نہیں ہوتا، پس ان کا انتخاب ان خدمات کی بناء پر کرو جو انھوں نے تم سے پہلے گزرے ہوئے صالح (حکام) کے لئے انجام دی ہیں، اس شخص کو (مقرر) کرنے کا قصد کرو جو عامۃ الناس میں سب سے زیادہ با اثر اور امانت داری میں مشہور ہو۔ تمہارا یہ طرز عمل اس بات کی دلیل ہوگا کہ تم خداوند عالم اور اس (امام) کے مخلص ہو جس نے تم کو والی مقرر کیا ہے۔ اور اپنے (سکریٹریٹ) کے ہر صیغے کا افسر ایسے آدمی کو بناؤ جو بڑے کاموں سے مغلوب اور ان کی کثرت کے سبب ان کے منضبط و محفوظ رکھنے سے عاجز نہ ہو۔ پس جب تمہارے کاتبوں میں نقص ہوگا اور تم اس سے تغافل کروگے تو اس کا الزام تمہارے ذمہ عائد ہوگا۔

(۲۲) تجّار و صنّاع

پھر تم سوداگروں کی بابت عام اس سے کہ وہ مقیم ہوں یا مال لیکر شہروں میں پھرنے والے ہوں نیز اہل صنعت و حرفت کی بابت (جو اپنے ہاتھ پاؤں ہلا کر روزی کماتے ہیں) سفارش قبول کرو اور اپنے (عمال) کو ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیّت کرو، کیوں کہ (تجّار و صنّاع) یہی لوگ منافع کے مواد اور فوائد کے اسباب ہیں، ان کو وہ دُور دست مقامات، بحر و بر، دشت و کوہ سے کھینچ کر لاتے ہیں، جہاں دوسرے لوگ جمع نہیں ہوتے اور جانے کی جرأت نہیں کرسکتے، اس کے ساتھ وہ لوگ ایسے امن دوست اور صلح پسند ہوتے ہیں کہ تم کو ان سے کسی آفت کا

خطرہ اور شر فساد کا خوف نہیں ہو سکتا، لہٰذا تم ان کے امور کی تفتیش و نگرانی اپنے سامنے اور اطراف بلاد میں کرتے رہو۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ ان میں سے اکثر لوگوں میں بلا کی تنگ دلی اور بخل کی قبیح خصلت بھی موجود ہوتی ہے نفع کمانے کے لئے احتکار[۱] کرتے ہیں اور بیچنے میں تحکم کرتے ہیں (یعنی کم تولتے ہیں اور دام زیادہ لیتے ہیں) یہ امر عامۃ الناس کے لئے نقصان رساں اور حکام کے لئے عیب ہے۔ پس تم ان کو احتکار سے باز رکھو کیونکہ رسول خدا نے اس سے ممانعت فرمائی ہے اور چاہئے کہ خرید و فروخت سہل اور موازین عدل[۲] کے مطابق ہو اور ایسے نرخ پر ہو جو فریقین میں سے کسی کو خسارہ میں نہ رکھے۔ جو شخص تمہاری طرف سے ممانعت صادر ہونے کے بعد بھی احتکار کا مرتکب ہو اس کو تعزیر اور سزا دو، مگر دیکھنا اس میں بھی ظلم و زیادتی نہ ہو۔

سماج کا سب سے پست طبقہ

(۲۳) پھر خدا سے اس طبقہ ادنیٰ کی بابت ڈرو جو بیچارہ لوگوں، مسکینوں، فقیروں، بیماروں اور اپاہجوں پر مشتمل ہے کہ اس طبقہ میں (دونوں ہی طرح کے لوگ ہوتے ہیں) قناعت پیشہ بھی اور مانگنے والے بھی، ان کے لئے اللہ کا وہ حق محفوظ رکھو جس کی حفاظت کا اس نے تم کو حکم دیا ہے۔ (ان کی امداد دو مدوں سے کرو) ایک تو اپنے بیت المال سے اور ایک ہر خطہ کی ان زمینوں کے غلوں سے جو غنیمت میں حاصل ہوتی ہیں، کیوں کہ ان میں دور رہنے والوں کا بھی ویسا ہی

۱ـ احتکار:۔ مال کو اس امید میں روک کے رکھنا کہ جب گراں ہوگا تو فروخت کریں گے۔

۲ـ یعنی ترازو ٹھیک ہو اور باٹ پورے ہوں۔

حق ہے، جیسا قریب رہنے والوں کا ، اور تم ہر ایک کے حق کے نگران و محافظ بنائے گئے ہو، پس (نعمت اور دولت کا) غرور تم کو غافل نہ کرے کیونکہ صرف اس وجہ سے کہ تم اہم امور کو محکم طور پر پر انجام دے چکے ہو قلیل و حقیر امور کو ضائع کر دینے پر معذور نہیں سمجھے جا سکتے، پس تم ان کی جانب سے اپنی توجہ کو نہ ہٹاؤ۔ اور اپنا چہرہ ان کی طرف سے نہ موڑو اور ان میں سے جو تم تک نہ پہنچ سکتے ہوں، جن کو آنکھیں دیکھنا پسند نہ کرتی ہوں اور لوگ ان کو حقیر جانتے ہوں ان کے امور کا تجسس کرو اور ان کی خبر گیری کے لئے اپنے معتمد لوگوں میں سے (ایسے اشخاص) کو (دوسرے کاموں سے) فارغ کر دو جو خدا کا خوف اور تواضع کی عادت رکھتے ہوں کہ وہ خبریں تم تک پہونچائیں، پھر تم ان کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ جس دن تم خدا کے (دربار میں) شرف باریابی حاصل کرو تو (اس کے سامنے عذر و معذرت پیش کر سکو۔

تمام رعیت میں یہ لوگ سب سے زیادہ انصاف کے محتاج ہیں، لہذا ہر ایک کا حق اس کو ادا کر کے خدا کے سامنے پیش کرنے کے لئے عذر مہیا کر لو۔ اور ان یتیموں اور سن رسیدہ لوگوں کی خبر گیری کرو جو نہ خود (اپنی معاش کے لئے) کوئی حیلہ رکھتے ہیں اور نہ دست سوال پھیلانے کے لئے دوسروں کے آگے کھڑے ہوتے ہیں ۔ یہ امر (عام طور پر) والیوں کے لئے گراں ہوتا ہے، مگر اللہ نے ان قوموں کے لئے آسان کر دیا ہے جو آخرت کی طالب ہو کر اپنے نفوس کو (جفاکشی) پر صابر بناتی ہیں، اور جو وعدے اللہ نے ان سے کئے ان پر بھروسا رکھتی ہیں ۔

دربار عام

(۲۴)

اور (اپنے اوقات کا) ایک حصہ اہل حاجت کے لئے مخصوص کرو جس میں تم اپنی ذات کو (دوسرے کاموں سے) فارغ کر لو ایک مجلس عام میں آ بیٹھو اور اس خدا کی خوشنودی کے لئے جس نے تم کو خلق کیا ہے، اس مجلس عام میں متواضع اور منکسر المزاج رہو۔ اپنی فوج، پولیس اور چوکیداروں کو اہل حاجت کے ساتھ تعرض کرنے سے باز رکھو تا کہ بولنے والے بے خوف و دہشت تم سے کلام کر سکیں، میں نے بہت سے مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "وہ امت جس میں بے خوف و خطر قوی سے ضعیف کا حق نہیں لیا جاتا خدا کی تقدیس نہیں کرتی"۔ ان کی سخت کلامی اور بے زبانی کو برداشت کرو اور تنگ دلی اور استکبار کو ان کی طرف سے دور کرو۔ ایسا کرنے سے خداوند عالم اپنی رحمت کے اطراف کو تم پر وسیع کرے گا اور تم کو ثواب اطاعت کا مستحق قرار دے گا۔ ان کو جو کچھ دو خوشگوار طریقہ سے دو، اور جو کچھ روکو اور بند کرو تو خوبصورتی اور عذر و معذرت کے ساتھ روکو۔

(۲۵) تمہارے معاملات میں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو تمہیں بذات خود انجام دینا پڑے گا (مثلاً) عمال کے (ایسے مراسلوں کا) جواب دینا جس کے جواب سے تمہارے سکریٹری (ناواقفیت کی وجہ سے) عاجز ہوں یا عامۃ الناس کی دن کے دن حاجت روائی کر دینا (کہ اکثر اس امر سے) تمہارا معین و مددگار عملہ تنگ ہوتا ہے (اور اپنی اغراض کی بناء پر اس کو ٹال دینا چاہتا ہے

(۲۶) ہر دن کے لئے مخصوص کام ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر روز کا کام اسی روز تمام کر دیا کرو جو (معاملات) فقط تمہارے اور خدا کے درمیان ہیں ان کو پورا کرنے میں اپنے اوقات کا افضل و اعظم حصہ صرف کرو (اور واقعہ تو یہ ہے) کہ اگر تمہاری نیت بخیر ہو اور رعیت کو ان سے سلامتی حاصل ہو تو تمہارے تمام کام اور اوقات خدا کے لئے ہو جائیں گے۔

عبادت الٰہی

(۲۷)

اور لازم ہے کہ ان فرائض کا جو اللہ کے لئے مخصوص ہیں قائم کرنا ان امور میں سے قرار دو جن کے وسیلے سے تم دینی اخلاص حاصل کرنا چاہتے ہو۔ پس تم اپنی جسمانی (قوتوں) کا کچھ حصہ رات اور دن خدا کی اطاعت میں صرف کرو۔ اور جن اعمال کو تم تقرب خدا کی غرض سے بجالاتے ہو ان کو تمام و کمال بجالاؤ ناقص و مخدوش نہ رکھو، خواہ تمہارے بدن کو کتنا ہی تعب کیوں نہ پہونچے۔ اور جب لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہو تو اس سے ان کو نفرت دلانے کا سبب نہ بنو اور نہ اس کو ضائع ہی کرو (مطلب یہ ہے کہ نہ اتنا طول دو کہ لوگ گھبرا جائیں۔ نہ اس قدر اختصار کرو کہ نماز ناقص رہ جائے) کیوں کہ جماعت میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو بیمار ہوتے ہیں یا ان کو کوئی کام ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم جب مجھے یمن بھیج رہے تھے اس وقت میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ کس طرح نماز ادا کروں؟ فرمایا کہ اس طرح نماز ادا کرو جیسے کوئی بہت ضعیف انسان ادا کرتا ہے، اور مومنین کے حال پر رحم کرو۔

گوشہ نشینی

(۲۸) ان تمام باتوں کے علاوہ یہ خیال رکھو کہ بہت طویل مدت تک رعیت سے چھپے نہ رہا کرو، کیوں کہ والی کا رعیت سے مخفی رہنا (امور متعلقہ میں) تنگی اور قلتِ اطلاع کا باعث ہوتا ہے، ان سے حجاب میں رہنا باہر کی باتوں کے علم کو قطع کر دیتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بڑی باتیں چھوٹی اور چھوٹی باتیں بڑی ہو جاتی ہیں، اچھے کام برے اور بری باتیں اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں اور حق باطل سے مخلوط اور مشتبہ ہو جاتا ہے، آخر والی بھی بشر ہی ہے وہ ان امور کو نہیں جان سکتا جن کو لوگ اس کی نظروں سے چھپائے رہتے ہیں، اور حق (کی پیشانی) پر ایسی کھلی ہوئی کوئی علامت بھی نمودار نہیں ہوتی کہ جس کی وجہ سے صدق کی اقسام کو کذب سے علٰحدہ پہچان لیا جائے، ظاہر ہے کہ تم دو میں سے ایک ہی قسم کے آدمی ہو یا تو ایسے شخص ہو جس کا نفس حقوق عطا کرنے میں سخی ہے تو پھر چھپنے کی وجہ کیا ہے؟ آیا اس حق و حب کی وجہ سے جس کو تم عطا کر رہے ہو، یا اس اچھے عمل کی وجہ سے جس کی بخشش تم عام کئے ہوئے ہو؟ یا تم بخل کے مرض میں مبتلا ہو، (اگر ایسا ہے) تو لوگ (دو چار دن آئیں گے) پھر مایوس ہو کر جلد ہی سوال سے باز آ جائیں گے،[1] اور پھر لوگوں کی بہت سی حاجتیں ایسی بھی تو ہوتی ہیں جن کا

---

[1] امراء و حکام اسی خوف سے گوشہ نشین رہتے ہیں کہ مستحقین اپنا حق مانگیں گے اور حاجت مند اپنی حاجتیں پیش کریں گے، پس اگر تم سخی ہو تو تم کو روپوشی کی ضرورت نہیں، اور اگر بخیل ہو تو مایوس ہو کر لوگ خود ہی آنا چھوڑ دیں گے۔

تم پر کوئی بار نہیں پڑتا، جیسے کسی ظالم کی شکایت، یا کسی معاملہ میں انصاف چاہنا۔

(۲۹) اپنے خواص و اقارب کو دوسروں پر مسلّط ہونیکا موقع نہ دو

پھر (یہ واضح رہے) کہ والی کے بعض خاص لوگ اور اقارب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو دوسرے کی ہانڈی اتار کر اپنی ہانڈی چڑھانے، لوگوں (کے اموال پر) دست درازی کرنے اور معاملات میں ناانصافی برتنے کی عادت ہوتی ہے، پس ان تمام (خرابیوں) کے اسباب کو دفع کر کے ان کے مادۂ (شر) ہی کو ختم کر دو (یعنی ان کو وہ اختیارات ہی نہ دو جن کی بدولت وہ یہ زیادتیاں کر سکیں) اپنے حاشیہ نشینوں اور حامیوں کے لئے کوئی جاگیر نہ مقرر کرو اور ان کو اپنی طرف سے کسی ایسی جائداد کی طمع نہ دلاؤ جس سے آس پاس کے لوگوں کو آبپاشی یا کسی اور مشترک کام میں ضرر پہنچنے کا امکان ہو کہ وہ نقصان کا بار دوسروں کے سر ڈالیں گے، اس طرح خوشگوار فائدہ تو ان کو ہوگا اور دنیا و آخرت میں تم پر مفت میں اس کا الزام رہیگا۔

(۳۰) اور ہر اس شخص کے لئے جس پر واجب ہو حق کو لازم کر دو عام اس سے کہ یہ شخص تم سے قریب ہو یا بعید، اور تم مستقل مزاج رہو اور نگراں رہو، خواہ اس حق (کا اثر) تمہارے خواص و اقارب ہی پر کیوں نہ پڑے) عاقبت کی بہتری کا قصد کرو کہ اس وقت تو یہ امر تم پر گراں ہوگا مگر انجام اس کا بہتر ہے،

(۳۱) رعایا کے سامنے صفائی پیش کرو

اور اگر رعیت کو تمہاری طرف کسی ظلم کا سوءظن پیدا ہو جائے تو تم اپنا

عذر اس کے سامنے ظاہر کرو اور اس کے شبہات کو دور کر دو، اس عذر طلبی سے تمہارے نفس کی ریاضت ہوگی۔ اور رعیت پر مہربانی اور شفقت، اور تمہارا یہ مقصود بھی پورا ہو جائے گا کہ وہ (راہ) حق پر قائم ہو جائے۔

دعوتِ صلح

(۳۲)

اور تم کسی ایسی (دعوت) صلح کو رد نہ کرو جو دشمن کی طرف سے پیش ہو اور خدا کی مرضی اور خوشنودی بھی اس میں ہو، اس لئے کہ صلح سے فوج کو آرام ملے گا۔ تم کو فکروں سے راحت ہوگی، اور بلاد (ملک) کو امن نصیب ہوگا۔ لیکن صلح کے بعد (دشمن سے غافل نہ ہو جاؤ بلکہ) اس سے پوری طرح خائف و محتاط رہو، کیوں کہ اکثر دشمن صلح لے کر اس لئے تمہارے پاس آتا ہے کہ غفلت میں تمہارے ساتھ دغا کرے۔ پس تم حزم و احتیاط سے کام لو اور حسن ظن کو اس معاملہ میں معیوب سمجھو۔ اگر تم اپنے دشمن سے کچھ شرائط طے کرو یا اس سے کوئی معاہدہ کرو تو وفا کر کے اس کا بار اپنی گردن سے اتارو اور جو ذمہ داری تم نے لی ہے اس کا امانت داری کے ساتھ لحاظ کرو۔ اور جو کچھ تم نے عہد کر لیا ہے اس کی حفاظت کے لئے اپنے نفس کو سپر بناؤ۔ کیونکہ فرائضِ الٰہیہ میں وفائے معاہدات سے بڑی کوئی شے نہیں ہے جس پر لوگ باوجود خواہشوں کے اختلاف اور رایوں کے اختلاف کے اجماع و اتفاق رکھتے ہیں۔ اور اہل اسلام تو کیا مشرکین بھی اپنے باہمی معاہدات کو پورا کرنا لازم سمجھتے تھے کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ عہد شکنی کے نتائج مہلک

ہوتے ہیں۔ پس تم جو ذمہ لے لو اس کو نہ چھوڑو، جو عہد کرلو اس میں خیانت نہ کرو۔ دشمن کو فریب نہ دو (کیوں کہ یہ کام اللہ کے مقابلہ کی جرأت کرنے کے مترادف ہے) اور خدا کے مقابلہ کی جرأت بدبخت جاہل کے سوا اور کون کرسکتا ہے۔ خدا نے عہد اور ذمہ داری کو (ذریعہ) امن قرار دیا ہے اور اس کو اپنی رحمت سے بندوں کے درمیان پھیلا دیا ہے اور ایسا حرم قرار دیا ہے جس کے استحکام کے بھروسہ پر لوگ بستے ہیں اور اس کے جوار کی طرف بڑھتے ہیں۔ پس اس میں کسی طرح دغل، خیانت اور فریب نہ کرو۔

عہد شکنی

(۳۳) اور تم کوئی ایسا معاہدہ نہ کرو جس میں تاویل کرکے توڑ دینے کی گنجائش ہو۔ اور اس (عہد نامہ) کی تائید و توثیق کے بعد (اس کے خلاف عمل درآمد کرنے کے لئے) کسی لفظی غلطی کی طرف مائل نہ ہو، اور اس عہد کیوجہ سے اگر کسی امر میں کوئی تنگی پیش آئے تو وہ تم کو اس عہد کے ناحق فسخ کرنے پر مائل نہ کرے کیونکہ کسی ایسے امر کی تنگی پر تمہارا صابر و شاکر رہنا جس کے دور ہو جانے اور انجام بخیر ہونے کی تم کو امید ہو۔ اس عہد شکنی سے بہتر ہے جس کے وبال کا تم کو خوف ہو۔

فساد اور خوں ریزی

(۳۴)

ناحق اور ناجائز خوں ریزی سے بچو کیوں کہ کوئی امر اس سے زیادہ عذاب

لانے والا، اس سے بڑھ کر وبال کا باعث، زوالِ نعمت کرنے والا اور مدت حکومت ختم کر دینے والا نہیں، اور قیامت کے دن خداوند عالم سب سے پہلے بندوں کی باہمی خونریزی کا فیصلہ کرے گا۔ پس تم ناجائز خوں ریزی سے اپنی سلطنت کو قوت دینا نہ چاہو کیونکہ وہ ضعف و خلل پیدا کرتی ہے، بلکہ اس کو فنا اور (دوسرے کی طرف) منتقل کر دیتی ہے، اگر تم عمداً قتل کرو تو میرے اور خدا کے نزدیک کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے، کیوں کہ اس میں جسمانی قصاص لازم ہو جاتا ہے، اور اگر تم غلطی سے اس میں مبتلا ہو جاؤ اور بلا ارادہ تمہارے تازیانے، تلوار یا ہاتھ سے سزا میں افراط ہو جائے (جو مجرم کو ہلاک کر دے) کہ اکثر مکا مارنے یا اس سے کچھ زیادہ سزاؤں کے سبب سے بھی قتل واقع ہو جاتا ہے تو ایسا نہ ہو کہ اپنی قوت اور حکومت کا غرور تم کو مقتول کے اولیاء (اور وارثوں) کو حقِ دیت ادا کرنے سے روکے۔

(۳۵) تم اپنے نفس کو اچھا سمجھنے، اس کی کسی بات پر جو تم کو بھلی معلوم ہو بھروسہ کرنے اور مبالغہ آمیز تعریفوں کو پسند کرنے سے احتراز کرو۔ کیوں کہ یہ امر شیطان کو پوری فرصت دیتا ہے کہ وہ انسان کے نفس میں دخل پائے اور نیکوں کی نیکی ملیامیٹ کر دے۔

اِحسان نہ جتاؤ، وعدہ خلافی نہ کرو

(۳۶) اور تم رعیت پر احسان جتانے یا اپنے کاموں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے سے پرہیز کرو، اور خبردار ایسا نہ کرو کہ ان سے کوئی وعدہ کرو اور پھر خلاف وعدہ کر بیٹھو، کیوں کہ احسان جتانا احسان کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔

اور اپنے کاموں کو بڑھا چڑھا کر دکھانا سچائی کی روشنی کو زائل کرتا ہے،
اور وعدہ خلافی خدا اور عامۃ الناس دونوں کے نزدیک ملامت اور سرزنش
کا مستحق بنا دیتی ہے۔ خداوند عالم خود فرماتا ہے "خدا کے نزدیک یہ امر بڑی
سرزنش کا باعث ہے کہ تم وہ باتیں منہ سے کہو جن کو تم عملی جامہ نہیں پہناتے"۔

وقت پر کام کرو

(۳۷)

خبردار! جلد بازی کر کے کاموں کو ان کے وقت (وموقع) سے پہلے
نہ کر ڈالو، اور جب ان کے ہونے کا امکان ہو اور موقع آجائے تو ان کے کرنے
میں تساہل نہ کرو، اور جب ان کی خرابی معلوم ہو جائے تو ان کے کرنے میں
سستی کرو، ہر امر کو اس کے مقام پر رکھو اور ہر کام کو اس کے موقع پر انجام
دو۔

تخصیص اور ضبط نفس

(۳۸)

اور تم کسی ایسی چیز کو اپنے لئے مخصوص نہ کرو جس میں سب لوگوں کے
حقوق برابر ہوں اور (لوگوں کے) ان مہتم بالشان امور میں تغافل کرنے سے
پرہیز کرو جو نگاہوں کے سامنے عیاں ہو چکے ہیں، کیوں کہ ان امور کا تمہارے
غیر کے لئے تم سے مواخذہ کیا جائے گا اور تھوڑی سی دیر میں جملہ امور کے
اوپر سے پردے ہٹ جائیں گے اور مظلوم کا انتقام تم سے لے لیا جائے گا
اور اپنے جوشِ تکبر، ہیجانِ غضب، ہاتھوں کی سطوت اور زبان کی تیزی
کو قابو میں رکھو اور ان سب کے (شر) سے اپنی ذات کا تحفظ کرو، بے اختیار

صادر ہونے والے امور کی روک تھام کرو اور حملہ آوری میں تاخیر کرو یہاں تک کہ تمہارا غصہ ساکن ہو جائے اور تم ضبط پر قابو پا جاؤ، اور تم اپنے نفس میں یہ قدرت اس وقت تک پیدا نہیں کرسکتے جب تک اپنے رب کی طرف واپسی کو یاد کرکے اپنی فکروں کو زیادہ نہ کرو۔

(۳۹) ماضی سے سبق لو

تمہارے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کو یاد رکھو جو تم سے پہلے لوگوں پر گذریں خواہ وہ حکومت عادلہ سے متعلق ہوں یا کسی طریقۂ فاضلہ سے، احادیث رسول ہوں، یا کتاب خدا میں بیان کیا ہوا فریضہ، اور اس کی اسی طرح پیروی کرو جیسے تم نے ہم کو کرتے دیکھا ہے، اس عہد نامہ میں جو کچھ احکام میں نے تمہارے ذمہ عائد کئے ہیں ان کی اور اپنے نفس کی (برأت) کے لئے جو حجتیں میں نے تم پر مسلط و مستحکم کر دی ہیں ان کی پیروی کرنے میں پوری جدوجہد کرنا، تاکہ جب تمہارا نفس ہوا و ہوس کی طرف سبقت کرے تو تمہارے لئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور میں خدا سے اس کی رحمت کی وسعت اور ہر مرغوب چیز کے عطا کرنے پر اس کی عظیم قدرت کا واسطہ دے کر اس امر کا سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تم کو اپنے نزدیک اور اپنی مخلوق کے نزدیک اس عذر واضح پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے جس میں اس کی رضا ہو۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے بندوں کی زبان پر بھی) ہماری مدح و ثنا رہے اور اقطارِ زمین پر ہمارا اچھا نقش قائم ہو، ہم پر اس کی نعمت تمام ہو اور عزت و کرامت زیادہ ہو۔ نیز اس سے یہ

دعا کرتا ہوں) کہ میرا اور تمہارا خاتمہ سعادت اور شہادت پر کرے، بیشک ہم سب اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ سلام ہو اس کے رسول صلی اللہ علیہ اور ان کی پاک و پاکیزہ آل پر، بہت بہت سلام۔

والسلام


MAAB 1431
maablib.org

محمدؐ و آلِ محمدؐ

کا نام تو ہم سب نے سنا ہے، مگر ان کا کام بہت کم لوگوں کو معلوم ہے، مسلمانوں کے انحطاط، زوال اور تشتت کا باعث ہی یہ ہے کہ وہ قرآن سے جو سرچشمہ ہدایت ہے، اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سے جن کی سیرت قرآن کی تفسیر ہے، بہت دور ہو گئے ہیں۔ پاکستان کی ملتِ [illegible] کی ہدایت کے لئے ہم نے ایک سلسلہ کتب تیار کیا ہے، جس کے مطالعہ سے ان کو قرآنی آیات اور الٰہی ہدایات کی چلتی پھرتی اور جیتی جاگتی تصویریں محمدؐ و آلِ محمدؐ کی سیرت میں نظر آئیں گی۔ ضرورت ہے کہ کوئی اسلامی گھر ان کتابوں سے خالی نہ رہے۔ یہ کتابیں علامہ سید ابن حسن رضوی جارچوی کی کاوش فکر و نظر کا نتیجہ ہیں۔

۱:- **محمدؐ و آلِ محمدؐ**۔ آنحضرت اور ان کے خاندان والوں کی سیرت اور سوانح حیات کا بصیرت افروز بیان۔ ان کی علمی و ادبی کارناموں کا تذکرہ۔ رسالت مآبؐ، جناب سیدہ طاہرہؑ اور ائمہ اثنا عشر صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے مشہور واقعات۔

ھدیہ:- جلد اول ایک روپیہ

ھدیہ:- جلد دوم ایک روپیہ

۲:- **فلسفہ آلِ محمدؐ**۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی تعلیمات کا فلسفیانہ بیان، ان کی علمی خدمات کا تجزیہ، اور اخلاقی و مذہبی ہدایات پر تبصرہ،

ائمہ اثنا عشر کے مشہور خطبوں کی شرح۔

شہادت امام حسین علیہ السلام کے اثرات ما بعد کا ذکر۔

اس کتاب کے حسب ذیل حصے شائع ہو چکے ہیں۔

مقدمہ فلسفہ آلِ محمدؐ	ھدیہ	دو روپیہ
فلسفہ آلِ محمدؐ — جلد اول	"	ایک روپیہ
فلسفہ آلِ محمدؐ — " دوم	"	دو روپیہ، آٹھ آنے
فلسفہ آلِ محمدؐ — " سوم	"	ایک روپیہ آٹھ آنے
فلسفہ آلِ محمدؐ — " چہارم	"	دو روپیہ آٹھ آنے

علی کا طرز جہانبانی:- اس کتاب میں حضرت علی کے اندازِ حکومت، اور طرز جہانبانی پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ ہدیہ [illegible]

اسی کتاب کا انگریزی ترجمہ، ھدیہ ایک روپیہ آٹھ آنے۔

اصولِ دین:- اسکولوں اور کالجوں میں پڑھانے کے لئے اصولِ دین کا فلسفیانہ بیان۔ ہدیہ آٹھ آنے

فروعِ دین:- فروعِ دین کا علمی اور استدلالی بیان ہدیہ آٹھ آنہ

ملنے کا پتہ:- **۳ سی روڈ ناظم آباد کراچی**

